سلطان الواعظین
مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب
کی روح پرور اور سبق آموز
سچی حکایات
فرید بک سٹال
۳۸ اردو بازار لاہور

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (پ ۱۳ ع ۷)

بے شک ان کے قصوں میں عبرت ہے سمجھداروں کے لیے

سچی حکایات

(حصہ چہارم)

مؤلفہ

سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب مدظلہ

اس کتاب میں کتب حدیث۔ تاریخ۔ تصوف اور دیگر مستند اسلامی کتابوں سے دلچسپ، مفید اور سبق آموز سچی حکایات درج کر دی گئی ہیں اور ہر حکایت کے بعد جو سبق حاصل ہوتا ہے لکھ دیا گیا ہے اور ہر حکایت کو اصل کتاب سے دیکھ کر درج کیا گیا ہے اور کتاب کا نام صفحہ، جلد سب کچھ لکھ دیا گیا ہے۔

ناشر

فرید بک سٹال

۳۸۔ اردو بازار لاہور

مطبع ——— عالمین پبلیکیشنز پریس۔ لاہور
۲۲/۱ ریٹیگن روڈ۔ لاہور
کاتب ——— طالب حسین
قیمت ——— /- روپے
ناشر ——— فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی نظر

"سچی حکایات" کا مفید سلسلہ بے حد پسند کیا گیا ہے۔ اور سچی حکایات کے پہلے تین حصوں کو جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ وہ شاذو نادر ہی کسی کتاب کو حاصل ہوتی ہے۔

پہلے تین حصے جن کے مطالعے میں آچکے ہیں۔ ان کا بے حد اصرار تھا کہ اس دلچسپ اور مفید سلسلہ کا چوتھا حصہ بھی جلد ہی شائع ہو۔

الحمد للہ

کہ آج یہ چوتھا حصہ بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اس حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے متعلق۔ اولیاء کرام بالخصوص حضور غوث اعظم علیہم الرحمۃ اور شاہان اسلام کے متعلق مختلف حکایات درج ہیں۔ اور آخر میں

ادب العرب

کے زیر عنوان دو طویل حکایتیں درج ہیں۔ اہل عرب کی فصاحت و

بلاغت اور ان کے خورد و کلاں کی بے مثل یادداشت و ذہانت کی یہ

دو شاہکار حکایتیں

اپنی مثال آپ ہیں۔ ان دو حکایتوں کو پڑھ کر آپ عربی ادب کی عظمت اور اہل عرب کی فصاحت و ذہانت کا اندازہ کر سکیں گے۔

مجھے امید ہے کہ پہلے تین حصوں کی طرح یہ حصہ بھی کافی مقبول ہو گا اور شائقین کرام اسے بھی ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

ابو النور محمد بشیر

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سچی حکایات کے تیسرے حصہ میں

دسواں باب

مختلف حکایات پر مشتمل ہے۔ اس چوتھے حصہ میں بھی اُسی

دسویں باب

کی مختلف حکایات کا بقیہ درج ہے

حکایت نمبر ۱۴۱

سفید سانپ

ایک بزرگ ابراہیم نامی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چند دوستوں کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوا تو راستے میں ہم نے ایک سفید رنگ کا خوبصورت سانپ دیکھا جس کے

بدن سے مشک و عنبر کی خوشبو آرہی تھی۔ وہ سانپ بے چین سا تھا اور کسی تکلیف میں نظر آرہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سانپ مر گیا۔ اس کے خوشبو دار بدن کو دیکھ کر میرے دل میں اس کے متعلق نیک گمان پیدا ہوا۔ اور میں نے اُسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر راستے سے الگ ایک اچھی جگہ میں دفن کر دیا۔ پھر ہم آگے بڑھے۔ اور نماز مغرب سے پہلے ہم ایک جگہ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر ہوئی تو ہمارے پاس چار عورتیں آئیں۔ ان میں سے ایک بولی، کہ تم میں سے "عمر" کو کس نے دفن کیا ہے۔ ہم نے کہا "عمر" کون؟ وہ بولی۔ وہ سفید سانپ جسے تم میں سے کسی نے دفن کیا ہے، وہی "عمر" تھا۔ میں نے کہا۔ بخدا اُسے میں نے دفن کیا ہے۔ تو وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ کہ

"تم نے ایک تہجد گزار اور بہت زیادہ روزے رکھنے والے مومن جن کو دفن کیا ہے۔ اس نے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اُن کی تشریف آوری سے چار سو سال پہلے آسمانوں پر سنی تھی۔ اور یہ اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا۔"

میں نے یہ بات سن کر اللہ کا شکر کیا۔ اور پھر ہم مکہ معظمہ میں پہنچے یہ زمانہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ حج کے بعد ہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملے۔ اور اس سفید سانپ والا

قصتہ بیان کیا۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم نے سچ کہا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اُس جن کا تذکرہ سُنا تھا۔

(حیٰوۃ الحیوان ص۱۴۲ ج۱)

سبق:۔ جنوں کی کئی کئی سو سال عمر ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و تعریف کے ڈنکے زمینوں آسمانوں میں بجتے رہے اور بج رہے ہیں اور بجتے رہیں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ کئی خوش نصیب افراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی حضور پر ایمان لے آئے تھے اور کئی بدبخت حضور کو دیکھ کر بھی اس نعمت سے محروم رہ گئے۔

حکایت نمبر ۶۴۲

عمرو بن جابر رضی اللہ عنہ

حضرت صفوان بن معطل فرماتے ہیں کہ ہم چند مسلمان مل کر حج کے لیے گھر سے نکلے۔ تو راستے میں ایک بہت بڑا سانپ دیکھا جو تڑپ رہا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ تڑپ تڑپ کر تھوڑی دیر کے بعد وہ مر گیا۔ ہماری جماعت میں سے ایک شخص نے جیب سے ایک

کپڑا نکالا۔ اور اس مردہ سانپ کو اس کپڑے میں لپیٹ کر زمین میں ایک گڑھا کھود کر اس میں دبا دیا۔ پھر ہم مکہ معظمہ پہنچے اور مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ تو ایک شخص ہمارے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ تم میں سے وہ کونسا نیک آدمی ہے جس نے "عمرو بن جابر رضی اللہ عنہ" سے نیک سلوک کیا؟ ہم نے کہا۔ "عمرو بن جابر" تو ہم میں سے کوئی واقف نہیں۔ اس شخص نے کہا۔ وہ کون ہے جس نے راستے میں سانپ کی تجہیز و تکفین کی۔ ہم نے بتایا۔ وہ یہ ہے۔ پھر وہ شخص ہمارے ساتھی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ! جزاک اللہ! یہ جس کی آپ نے تجہیز و تکفین کی ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنّ صحابی تھا۔ اور اس کا نام "عمرو بن جابر" تھا۔ اور یہ اُن نو جنوں میں سے تھا۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ نور سے قرآن سُنا تھا۔

(رواہ الحاکم فی المستدرک۔ حیوٰۃ الحیوان ص۱۶۴ ج۱

روح البیان ص۳۰۴ ج۴

سبق : ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین ہیں۔ انسانوں اور جنّوں کے بھی رسول ہیں۔ اور جنّوں میں بھی ایسے خوش نصیب افراد ہیں۔ جو شرفِ صحابیت سے مشرف ہیں رضی اللہ عنہ۔

حکایت نمبر ۲۴۳

سرق رضی اللہ عنہ

ایک روز حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ایک چٹیل میدان میں سے گذر رہے تھے کہ آپ نے راستے میں ایک بہت بڑا سانپ مرا ہُوا دیکھا۔ آپ نے اپنی چادر پھاڑی اور اس میں اس سانپ کو لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا۔ دفن کر دینے کے بعد آپ نے ایک آواز سُنی۔

"اے سرق! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا کہ انہوں نے تم سے فرمایا تھا۔ کہ اے سرق! تم ایک چٹیل میدان میں مرو گے اور تمہاری تجہیز و تکفین ایک مردِ صالح کرے گا۔"

حضرت عمرو بن عبدالعزیز نے یہ آواز سُنی۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے۔ تم کون ہو؟ اور میں یہ کس کی آواز سُن رہا ہوں جواب ملا۔

"میں ان جنوں میں سے ہُوں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ انور سے قرآن سُنا تھا۔ اُن جنوں

میں سے میرے اور سرق کے سوا کوئی باقی نہ تھا۔ اور اب سرق بھی چل بسا۔ اور صرف میں ہی رہ گیا ہوں"۔

حیوٰۃ الحیوان صفحہ ۱۴۲ ج ۱

سبق: معلوم ہوا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اور شرفِ صحابیت حاصل کرنے والے جنّوں میں بھی ہیں اور ہمارے حضور رسول الکل ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی علم حاصل تھا۔ کہ فلاں شخص فلاں وقت اور فلاں زمین پر مرے گا۔

حکایت نمبر ۴۴

خوفناک وادی

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بنو تمیمی شخص نے اپنے اسلام لانے کا یہ قصہ بیان کیا۔ کہ ایک مرتبہ مجھے ایک سفر کے دوران ایک بہت بڑے ریگستان میں رات گزارنا پڑی۔ اس خوفناک ریگستان میں میری اونٹنی میرے ساتھ تھی۔ اور میں بالکل تنہا تھا۔ رات کا وقت تھا میں نے اونٹنی کو ایک جگہ بٹھایا۔ اور خود

لیٹ گیا۔ اور سو جانے سے پہلے میں نے یہ پڑھا۔ اَعُوْذُ بِعَظِیْمِ هٰذَا الْوَادِیْ۔ یعنی " اس وادی کے بڑے جن کے ساتھ میں پناہ مانگتا ہوں "۔ یہ پڑھکر میں سو گیا۔ سونے کے بعد خواب میں میں نے دیکھا۔ کہ ایک قوی ہیکل جوان جس کے ہاتھ میں ایک خنجر ہے آیا۔ اور آتے ہی وہ خنجر اس نے میری اونٹنی کے حلق پہ رکھ دیا۔ یہ دیکھتے ہی میں گھبرا کر جاگ اُٹھا۔ اور ارد گرد دیکھنے لگا۔ مگر کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میں اسے یونہی وہم و خیال سمجھ کر پھر سو گیا۔ دوبارہ پھر وہی جوان ہاتھ میں خنجر لیے نظر آیا۔ اس نے خنجر پھر میری اونٹنی کے گلے پر رکھ دیا۔ میں پھر چونک پڑا۔ اور دیکھا۔ کہ میری اونٹنی بھی کانپ رہی ہے۔ میں پھر سو گیا اور تیسری مرتبہ پھر یہی قصہ دیکھا۔ اور اب تو میں ڈر کر اور گھبرا کر جاگ اٹھا۔ میں نے دیکھا کہ اونٹنی بھی ڈر کے مارے بہت کانپ رہی ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو وہی جوان ہاتھ میں خنجر لیے کھڑا نظر آیا۔ اور اس کے ساتھ ایک بوڑھا شخص بھی دیکھا۔ جس نے اس جوان کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اور اونٹنی کے قریب آنے سے اُسے روک رکھا تھا۔ اور وہ دونوں آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں تین بڑے بڑے بیل وہاں آ گئے۔ اور اُس بوڑھے نے اس جوان سے کہا کہ ان بیلوں میں سے جو بیل چاہو۔ اس میرے ہمسائے آدمی کی اونٹنی کے بدلے میں لے لو۔ مگر میرے پڑوسی آدمی کی اونٹنی کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ چنانچہ وہ جوان آگے بڑھا۔

اور ان بیلوں میں سے ایک بیل اُس نے پکڑ لیا۔ اور اُسے لے کر وہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ بوڑھا شخص مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کہ دیکھو بھائی! اب تم لوگ اس قسم کی ڈراؤنی جگہوں میں کسی جن کے ساتھ پناہ نہ مانگا کرو۔ اس لیے کہ اب ان کا زور اور ان کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اب تم یوں کہا کرو۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ رَبِّ مُحَمَّدٍ مِنْ ھَوْلِ ھٰذَا الْوَادِیْ۔ یعنی میں محمد کے رب کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ اس وادی کے حول سے۔" میں نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ اُس نے بتایا۔ کہ یہ نبی عربی ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کہاں رہتے ہیں؟ اس نے کہا۔ کہ مدینہ منورہ میں۔ میں یہ سُن کر انتہائی شوق میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوا۔ اور سیدھا مدینہ منورہ آ پہنچا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھتے ہی میرا یہ سارا قصہ خود ہی لفظ لفظ سُنا دیا۔ اور پھر مجھے مسلمان ہو جانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ تو میں فوراً کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صد ۱۹۴)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ہر باطل کا زور و طلسم ٹوٹ گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالمگیر رسالت ہے اور جن بھی حضور کے خادم ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات پوشیدہ و پنہاں نہیں۔

حکایت نمبر ۶۴۵

مبلّغ جن

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے کچھ اُونٹ گم ہوگئے۔ اور میں ان کی تلاش میں باہر نکلا۔ تو انہیں وادی میں پا لیا۔ چونکہ میں تھک گیا تھا۔ اس لیے تھوڑی دیر کے لیے وہیں سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اور عادت کے مطابق یہ پڑھا "نَعُوْذُ بِعَزِیْزِ هٰذَا الْوَادِیْ"۔ اتنے میں میں نے سُنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ ؎

هُذْ یَا فَتٰی بِاللّٰهِ ذِی الْجَلَالِ وَالْمَجْدِ وَالنَّعْمَاءِ وَالْاِفْضَالِ

وَوَحِّدِ اللّٰهَ وَلَا تُبَالِ قَدْ مَا رَکِیْدُ الْجِنِّ فِیْ سِفَالِ

"یعنی اے جوان! اللہ کے ساتھ پناہ مانگ جو عظمت و جلال اور فضل و کرم کا مالک ہے اور اللہ کی توحید کا اقرار کر اور جنوں کا مکر و طلسم تو اب پستی میں جا پڑا ہے"

میں نے یہ آواز سُن کر کہا کہ اے ہاتف! صاف صاف بتاؤ کہ تمہارا کیا مطلب ہے؟ اور میری ہدایت کے لیے کیا طریق ہے؟ تو پھر وہی آواز آئی۔ کہ ؎

جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ذُو الْخَيْرَاتِ
بِيَثْرِبَ يَدْعُوْا اِلَى النَّجَاةِ

یعنی اللہ کے رسول تشریف لے آئے ہیں جو یثرب (مدینہ منورہ) میں ہیں۔ اور نجات کی طرف بلا رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔ اور تم کون ہو؟ تو آواز آئی کہ میں جن ہوں۔ میرا نام عمرو بن اثال ہے۔ اور نجد کے مسلمان جنوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عامل مقرر ہوں۔

میں نے کہا کہ اگر میرے یہ اونٹ کوئی شخص میرے گھر تک پہنچا دے۔ تو میں ابھی مدینہ منورہ حاضر ہو کر ایمان لے آؤں۔ آواز آئی کہ جاؤ تم مدینہ منورہ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لاؤ۔ تمہارے یہ اونٹ میں تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔

چنانچہ میں اسی وقت ان اونٹوں میں سے ایک اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ یہ دن جمعہ کا تھا اور جس وقت میں پہنچا ہوں۔ اس وقت نماز ہو چکی تھی۔ اور صحابہ کرام مسجد سے نکل رہے تھے۔ میں اپنی اونٹنی بٹھا رہا تھا۔ اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھ سے فرمانے لگے۔ اندر چلو۔ حضور علیہ السلام تمہیں بلا رہے ہیں چنانچہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو حضور نے فرمایا۔ کیوں بھئی! جس نے تمہارے اونٹ تمہارے گھر تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے

تم سے کیا کیا کچھ کہا؟ اور پھر فرمایا۔ سنو! اُس نے تمہارے اُونٹ صحیح سالم تمہارے گھر تک پہنچا دیئے ہیں۔

(رحمۃ اللہ علی العالمین ص۱۸۵)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ رسالت کے ڈنکے ہر جگہ بج رہے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چاہے دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی بات ہو۔ ہمارے حضور کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۲۴۶
بچھڑوں کا ملاپ

بنی اسرائیل میں ایک صالح شخص تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا۔ جب اس کی وفات قریب آئی۔ تو اس نے اپنے بیٹے کو وصیت کی۔ کہ "خدا کی قسم" کبھی نہ کھانا۔ نہ جھوٹی نہ سچی۔ جب وہ مر گیا۔ اور لوگوں نے یہ سُنا۔ تو بنی اسرائیل اس کے بیٹے کے پاس آئے۔ اور ایک ایک آ کے کہنے لگا۔ کہ تیرے باپ کے ذمہ میرا اتنا قرض تھا۔ وہ ہر ایک کو اس کے کہنے کے مطابق رقم دیتا رہا۔ حتّٰی کہ یہ بیچارہ مفلس ہو گیا۔ اور جب کوڑی بھی اس کے پاس باقی نہ رہی۔ تو وہ اپنی بیوی اور دو بچوں کو

ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ اور دریا میں کشتی پر سوار ہو گیا۔ خدا کا حکم کشتی ٹوٹ گئی۔ اور یہ چاروں ستم رسیدہ علیحدہ علیحدہ ایک ایک تختے پر بہنے لگے۔ اور باد مخالف نے ہر ایک کو ایک دوسری سمت میں جا پھینکا۔ یہ شخص جس نے مدعیوں کے ظلم سے وطن چھوڑا تھا۔ ایک جزیرہ میں پہنچ گیا۔ جہاں کوئی آدم زاد نظر نہ آتا تھا۔ حیران تھا کہ کیا کرے۔ استنے میں ہاتف سے ایک آواز آئی۔ کہ اے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے والے! مشیت الٰہی اس بات کی مقتضی ہے۔ کہ تجھ کو ایک خزانہ ملے۔ فلاں جگہ جاؤ اور وہاں سے خزانہ نکال لو۔ یہ وہاں پہنچا۔ تو اس مقام سے واقعی خزانہ مل گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ آدمی کہیں سے وہاں بھیج دیئے اس نے ان سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ اور اس کے اس نیک سلوک کی خبر گرد و نواح میں پھیل گئی۔ اور مہمان نوازی و غربا پروری کی دور دور تک شہرت ہو گئی۔ چنانچہ اطراف و جوانب سے لوگ اس کے پاس آنا شروع ہو گئے۔ اور جو آتے گئے وہیں بستے گئے۔ یہاں تک کہ وہ جزیرہ ایک بڑا شہر ہو گیا۔ اور یہ شخص اس جزیرہ کا حاکم بن گیا۔ خدا کی شان جیسے کہ اور آدمی اس کی خبریں سن سن کر اس کے پاس آتے تھے ایسے ہی اس کے بڑے بیٹے کو بھی خبر لگی کہ ایک شخص ان اوصاف کا فلاں جزیرہ میں ہے اور اس کی وجہ سے وہ جزیرہ آباد ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ بھی اُدھر کو روانہ ہو گیا۔ قطع منازل کے بعد اس جزیرہ میں

آیا - اور حاکم جزیرہ سے ملاقات کی - حاکم جزیرہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت اور خدمت کی - اور اُسے اپنے خاص لوگوں میں داخل کر لیا - باوجود اس کے ایک دوسرے سے ناواقف ہی رہے، اور اپنے رشتے سے بے خبر ہی رہے -

اسی طرح اس کے دُوسرے بیٹے کو خبر لگی - اور وہ بھی حاضرِ خدمت ہو کر اپنے بڑے بھائی کی طرح شرفِ خدمت سے بہرہ یاب ہوا - ابھی تک ایک کا حال دُوسرے سے مخفی ہی تھا - اب حاکم جزیرہ کی بیوی کا حال سنیئے - کہ وہ کسی دُوسرے جزیرہ میں پہنچ گئی اور ایک شخص نے اُسے اپنے گھر میں ڈال لیا - جب اُس شخص کو بھی اس حاکم جزیرہ کی سخاوت کا علم ہوا - تو وہ بھی اپنی عورت کو ساتھ لے کر اس کی طرف چل پڑا - جب جزیرہ کے قریب پہنچا تو عورت کو کشتی میں چھوڑ کر اور کچھ ہدیہ لے کر حاکم جزیرہ کے پاس پہنچا - حاکم نے اس کی خاطر و مدارات کے بعد کہا - کہ رات یہیں رہو - اس نے بتایا کہ میں اپنی عورت کشتی میں چھوڑ آیا ہوں - حاکم نے کہا - کہ اس کی حفاظت کے لیے دو آدمی میں وہاں بھیج دیتا ہوں - پھر انہیں دونوں بھائیوں کو حکم دیا - کہ جاؤ اور رات بھر اس کشتی کی حفاظت کرو - جب وہ دونوں کشتی کے پاس پہنچے - تو آپس میں صلاح کرنے لگے - کہ ہمیں اس عورت کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند آجائے - آؤ آپس میں کچھ باتیں کریں - اور آج تک زمانہ

سکے حالات میں سے جو جو کچھ جس کو معلوم ہے ۔ وہ بیان کرے تاکہ رات
بسر ہو ۔ اور نیند نہ آئے ۔ چنانچہ ایک نے پہلے اپنا ہی قصہ بیان کرنا
شروع کیا ۔ اور اپنی مصیبت زدہ داستان سنانا شروع کی ۔ اور کہا کہ ہم
دو بھائی تھے ۔ دوسرے بھائی کا نام بھی تھا جو تمہارا ہے ۔ ہمارا باپ
ہم کو معہ ہماری والدہ کے لے کر دریا میں سوار ہوا ۔ خدا کی قدرت کشتی
ٹوٹ گئی ۔ اور ہم سب ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور بچھڑ
گئے ۔ خدا جانے کون کون کہاں کہاں جا پہنچا ہے ۔ جب دوسرے نے
یہ قصہ سنا تو پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے ۔ اس نے بتایا کہ فلاں
نام ہے ۔ پوچھا ۔ اور تمہاری ماں کا نام ؟ اس نے ماں کا نام بھی بتایا ۔ یہ
سن کر اسے تاب نہ رہی ۔ اور دوڑ کر اس سے لپٹ گیا ۔ اور کہا کہ ربّ
کعبہ کی قسم ! تو تو میرا بھائی ہے ۔ وہ عورت جو کشتی میں بیٹھی تھی ۔ اور جو
درحقیقت ان کی ماں تھی ۔ بیٹھی دونوں کی باتیں سن رہی تھی جب صبح
ہوئی ۔ اور وہ شخص کشتی پر آیا ۔ تو عورت کو نہایت غمگین پایا ۔ یہ دیکھ کر
اسے شک گزرا ۔ کہ شاید ان دونوں پہرے داروں نے کوئی شرارت
کی ہے ۔ چنانچہ وہ غصہ میں الٹے پاؤں پھر حاکم جزیرہ کے پاس پہنچا ۔ اور
سارا قصہ سنایا ۔ حاکم نے ان دونوں کو طلب کیا ۔ اور ساتھ ہی اس
عورت کو بھی بلا لیا ۔ اور پھر عورت سے پوچھا ۔ کہ بتاؤ تم کو ان سے کیا
شکایت ہے ۔ وہ بولی ۔ جناب ان دونوں سے کہیئے کہ یہ رات کا اپنا

قصہ جو سُنا رہے تھے۔ پھر دُہرایئں۔ چنانچہ انہیں یہ حکم دیا گیا۔ اور انہوں نے پھر وہی قصہ بیان کیا۔ حاکم جزیرہ نے یہ قصہ سُنا۔ تو بے اختیار اپنے تخت سے اُٹھا۔ اور ان دونوں کو چھاتی سے لگا کر کہنے لگا اَنْتُمَا وَاللّٰہِ وَلَدِی۔ خدا کی قسم تم تو میرے ہی بیٹے ہو۔" ادھر عورت بھی بے چین ہو گئی۔ اور پکار اُٹھی۔ وَ اَنَا وَاللّٰہِ اُمُّھُمَا۔ اور میں خدا کی قسم ان دونوں کی ماں ہوں۔" اللہ تعالیٰ جب چاہے بچھڑوں کو جمع کرنے پر قادر ہے۔

(نزہتہ المجالس باب برالوالدین صہ ۲۹۳ ج ۱)

سبق :- ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک اور ان کی فرمانبرداری کا پھل میٹھا ہے۔ اور ماں باپ کی فرمانبردار اولاد کی دنیا بھی بن جاتی ہے اور دین بھی سنور جاتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مصیبت کے بعد راحت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور مصیبت کے وقت صبر کرنیوالے کو بڑا اجر ملتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ بڑی حکمتوں اور قدرتوں کا مالک ہے۔ وہ بچھڑوں کو ملا دینے پر بھی قادر ہے۔ اور جس طرح یہاں اس نے منتشر افراد کو ایک جگہ جمع فرما دیا۔ اسی طرح قیامت کے روز تمام منتشر افراد اور اجزاء کو وہ جمع فرما دے گا۔

حکایت نمبر ۲۴

عارفہ

حضرت عبداللہ بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں بیت المقدّس جانا چاہتا تھا۔ کہ راستہ بھول گیا۔ اچانک ایک عورت پہ نظر پڑی۔ میں نے اس سے کہا۔ اے مسافرہ! کیا تو بھی راستہ بھول گئی ؟" اُس نے غصّہ میں آکر جواب دیا۔ کہیں عارف باللہ بھی مسافر ہو سکتا ہے؟ اور خُدا کو دوست رکھنے والا بھی راہ بھولا ہوا کہلایا جا سکتا ہے ؟ پھر کچھ توقف کے بعد بولی۔ لو میری لکڑی کا سرا پکڑ لو۔ اور آگے آگے ہو لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ابھی تھوڑی دور ہی چلا ہوں گا۔ کہ سامنے بیت المقدس کی چوٹیاں دھندلے غبار میں نظر آنے لگیں۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ بڑی بی! یہ کیا ماجرا ہے؟ کہ اتنی جلدی ہم بیت المقدس پہنچ گئے۔ کہنے لگی۔ اے شخص! تیری رفتار زاہدوں جیسی ہے۔ اور میری رفتار عارفوں جیسی ہے۔ زاہد سیّار اور عارف طیّار ہے۔ کہاں چلنے والا اور کہاں اُڑنے والا۔ اتنا کہہ کر وہ میری نظروں سے غائب ہو گئی۔

(نزہۃ المجالس ص ۲ ج ۲ باب حفظ الامانت)

سبق: اللہ کی معرفت کی بدولت بڑی بڑی مشکلیں آسان ہو جاتی

ہیں۔ اور عارف باللہ افراد بھولوں بھٹکوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور مشکل میں دستگیری فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ معرفت حق کی بدولت جب ایک عورت بھی کوسوں دور کا سفر پل بھر میں طے کر سکتی ہے۔ تو جو ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) عرفان و معرفت کا سرچشمہ ہے۔ وہ پل بھر میں اگر عرش علیٰ پر جا پہنچے تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے۔

حکایت نمبر ۶۴۸

نا اہل

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص اسم اعظم سیکھنے کے لیے آیا۔ اور کئی مہینے متواتر آپ کی خدمت میں رہا۔ ایک روز حضرت ذوالنون کو قسم دے کر کہنے لگا۔ کہ اب تو مجھے اسم اعظم کی تعلیم دے دیجئے۔ آپ نے اُسے ایک برتن جس کا منہ کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا، دیا۔ اور فرمایا کہ اسے فلاں شخص کے پاس لے جاؤ۔ یہ شخص اُسے لے چلا راستے میں کچھ خیال جو آیا۔ تو برتن کا منہ کھول دیا۔ منہ کھولتے ہی برتن میں سے ایک چوہا نکل کر بھاگا ...... یہ شخص غصہ میں آکر وہیں سے پلٹا۔ اور حضرت ذوالنون کے پاس پہنچ کر کہنے لگا۔ آپ مجھ سے دل لگی کرتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا۔ دل لگی کی کوئی بات نہیں۔ ہم نے ایک چوہے پر تیری امانت و اہلیت کو آزمانا چاہا تھا۔ مگر تم اس بات کے اہل ثابت نہیں ہوئے۔ اور تم نے خیانت کر دکھائی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جب تم ایک حقیر سی شے کی حفاظت نہیں کر سکے۔ تو اسمِ اعظم کی امانتِ جلیلہ پر تم ثابت قدم کیسے رہ سکتے ہو؟ جاؤ۔ تم امتحان کی کسوٹی پر کھوٹے اُترے ہو۔

(نزہتہ المجالس ص ۳۱ ج ۲)

سبق: اللہ تعالیٰ اپنی معرفت اور اپنی محبت۔ نااہلوں کو عطا نہیں فرماتا۔

حکایت نمبر ۶۴۹
گواہ

حضرت سفیان ثوری طالب علمی کے زمانہ میں جہاں تعلیم پاتے تھے۔ وہاں ایک مکان تھا۔ جس کی دیوار کے سایہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ اتفاقاً اس مکان میں کسی نے نقب لگا کر سارا سامان اڑا لیا۔ مالکِ مکان نے حضرت سفیان پر چوری کا الزام لگا کر ان کو پکڑ لیا۔ حضرت سفیان نے اس بے بسی کی حالت میں مضطربانہ ادا کے ساتھ کہا۔ الٰہی! تو فرماتا ہے۔

لَا یَأْبَ الشُّھَدَاءُ اِذَا مَا دُعُوْا۔ کہ جب گواہ گواہی دینے کے لیے بلائے جائیں۔ تو گواہی دینے سے انکار نہ کریں" اور یہاں میرا گواہ تیرے سوا کوئی نہیں ۔ اچانک اسی وقت ایک شخص چلاتا ہوا آیا۔ اور کہنے لگا۔ سفیان کو چھوڑ دو۔ چور میں ہوں۔ لوگوں نے اس سے اس اقرار جرم کی وجہ دریافت کی۔ تو کہنے لگا۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا کوئی غضبناک لہجہ میں کہہ رہا ہے۔ چوری کا سامان واپس کر دو۔ سفیان کو فوراً چھڑاؤ۔ ورنہ ابھی غارت ہو جاؤ گے۔ (نزہتہ المجالس صفحہ ۳۰ ج ۲)

سبق: سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا مانگی جائے۔ وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

حکایت نمبر ۶۵۰
محنت کا پھل

ایک بادشاہ کا گزر ایک بوڑھے شخص پر ہوا۔ جو درختوں کی درستگی اور کاشت چھانٹ کر رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا۔ اے بوڑھے! کیا تجھے ان درختوں کا پھل کھانے کی امید پڑتی ہے؟ کہا! بادشاہ سلامت! ہمارے پہلے لوگوں نے زراعت کی۔ تو اس سے ہم لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ اب میں

اپنے بعد آنے والوں کے لیے یہ محنت کر رہا ہوں۔ تاکہ وہ نفع حاصل کریں۔ بادشاہ کو اس کی یہ با مذاق اور مفید بات بہت ہی پسند آئی۔ اور خوش ہو کر اُسے ایک ہزار اشرفیاں انعام کے طور پر دیں۔ اس پر بوڑھا کاشتکار کھکھلا کر ہنس پڑا۔ بادشاہ نے حیرت میں آ کر پوچھا۔ کہ اس وقت ہنسی کا کیا موقعہ ہے۔ کہا مجھے اس زراعت کے اس قدر جلد پھل دینے سے تعجب ہُوا۔ اس بات پر بادشاہ اور بھی زیادہ خوش ہوا۔ اور ایک ہزار اشرفیاں اور دے دیں۔ بوڑھا کاشت کار پھر ہنسا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کہ اب کیوں ہنسے؟ تو وہ بولا۔ کہ کاشت کار پورا سال گزرنے کے بعد ایک دفعہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ میری اس زراعت نے اتنی تھوڑی سی دیر میں دو دفعہ خاطر خواہ فائدہ پہنچایا۔ بادشاہ نے ایک ہزار اشرفیاں اور دیں۔ اور اُسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ (نزہتہ المجالس صفحہ ۲۲)

سبق : محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ دانائی کی بات کرنے میں بڑے فائدے ہیں۔

حکایت نمبر ۱۵۶

دشمنِ رسول

حضرت ذکریا علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے

کسی جنگل میں شیطان کو روتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا روتے کیوں ہو؟ شیطان بولا۔ اے اللہ کے نبی! وہ شخص کیوں نہ روئے۔ جس نے ایک طویل زمانہ تک خدا کی بندگی کی ہو۔ اور اس کی عبادت محض بیکار اور رائیگاں جاتی رہی ہو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی۔ الٰہی! یہ ملعون اب تو پچھتاتا اور روتا ہے۔ کیا اس کے ساتھ مصالحت کی کوئی صورت ہے؟ خدا نے فرمایا۔ اے یحییٰ! اس ملعون کے رونے پر نہ جاؤ۔ یہ اخلاص کے ساتھ نہیں روتا۔ بناوٹی اور منافقانہ رونا روتا ہے۔ اور اگر تم اس کے نفاق کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس سے کہو۔ کہ اللہ فرماتا ہے۔ تم آج بھی اگر آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کر لو۔ تو ہم راضی ہو جائیں گے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے شیطان سے یہ بات کہی تو وہ ملعون کھکھلا کر ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے جب آدم کو زندگی میں سجدہ نہیں کیا۔ تو اب اس کے مرنے کے بعد کیوں کرنے لگا۔

(نزہتہ المجالس صفحہ ۲ ج ۲)

سبق: معلوم ہوا کہ ہر رونے والا ضروری نہیں کہ مخلصانہ ہی رو رہا ہو۔ بلکہ بعض لوگ جھوٹا رونا بھی روتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان رسول کا بہت بڑا دشمن ہے اور رسول کے آگے جھکنے پر وہ کسی صورت تیار نہ پہلے ہوا تھا اور نہ اب ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ شیطان نے نہ تو رسول کی دنیوی زندگی میں تعظیم رسول کی۔ اور نہ ان کے

وصال کے بعد ان کی قبر پہ ہی جانے کے لیے تیار ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ رسول پر "مرنے" کا لفظ شیطان نے بڑے کھلے مُنہ سے کہہ دیا تھا۔

حکایت نمبر ۶۵۲
مرنے سے ڈرنا

سلیمان بن عبدالملک نے ایک مرتبہ حضرت ابوحازم علیہ الرحمۃ سے پوچھا۔ کہ "ہم مرنے سے ڈرتے کیوں ہیں؟" تو آپ نے جواب دیا۔ اس لیے کہ تم نے دُنیا آباد کر لی۔ اور عاقبت برباد کر ڈالی۔ پس آبادی سے نکل کر ویرانے کو جانے پر کس کا دل چاہتا ہے؟ سلیمان نے پھر پوچھا۔ کہ قیامت کے دن خُدا کے سامنے پیش ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ نیک آدمی تو یوں پیش ہوگا۔ جیسے کوئی گم شدہ آدمی گھر لوٹے اور گھر والوں سے خوشی ملے۔ اور بُرے آدمی کی مثال یوں ہوگی۔ جیسے کوئی بھاگا ہوا غلام پکڑا جائے۔ اور اُسے اُس کے آقا کے حضور پیش کیا جائے۔ اور وہ لرزتا کانپتا اور ڈرتا ہوا پیش ہوا۔

(روض الفائق ص۱۲)

سبق: ہمیں اپنی عاقبت سنوارنے اور آباد کرنے کی فکر کرنا چاہیئے

تاکہ جب ہم مریں۔ تو اس شعر کے مصداق ثابت ہوں ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

یعنی مومن جب مرتا ہے، تو ہنستا ہوا مرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ویرانے سے آبادی کی طرف اور پردیس سے اپنے گھر کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔

حکایت نمبر ۶۵۳

حساب

ایک عاقبت اندیش آدمی کو ایک مرتبہ اپنے گناہوں کا خیال آیا۔ اور وہ اپنی عمر کا حساب کرنے لگا۔ حساب جو کیا۔ تو اس کی عمر ساٹھ سال کی نکلی۔ پھر وہ ان ساٹھ سالوں کے دن گننے لگا۔ تو ساٹھ سال کے ساڑھے اکیس ہزار دن بنے۔ یہ بات دیکھی۔ تو وہ غش کھا کر گر پڑا۔ وہ جب ہوش میں آیا۔ تو کہنے لگا۔ افسوس میں ہلاک ہو گیا۔ ساڑھے اکیس ہزار دنوں میں فی روز اپنا ایک گنہ بھی شمار کروں۔ تو بھی میرے جملہ گناہ ساڑھے اکیس ہزار بنتے ہیں۔ اور حال یہ ہے۔ کہ میں نے ایک ایک دن میں کتنی کتنی گناہ کئے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ پھر گر پڑا۔ اور مر گیا۔

(روض الفائق صـ۱۴)

سبق: ہر شخص کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیئے۔ اور سوچنا چاہیئے کہ ساری عمر میں بالفرض اگر فی یوم اس نے ایک بھی گنہ کیا ہوگا تو بھی ہزاروں گنہ اس کے لیے جمع ہو جائیں گے۔ پھر اگر ایک ایک روز میں کئی کئی گناہ کئے جائیں۔ تو اندازہ لگائیے۔ کہ ان گناہوں کے کس قدر انبار لگ جائیں گے۔ اور کل قیامت کے دن کس قدر مشکل کا سامنا ہوگا۔ پس ہر شخص کو ڈرنا چاہیئے۔ اور گناہوں سے بچنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۶۵

آبادی

ایک گھوڑ سوار نے جاتے ہوئے ایک شخص سے پوچھا۔ بھئی! آبادی یہاں سے کتنی دور ہے؟ اس شخص نے جواب دیا۔ آپ اپنی دائیں طرف دیکھئے۔ وہ دیکھئے۔ سامنے آبادی نظر آ رہی ہے۔ گھوڑے سوار نے ادھر دیکھا۔ تو اسے ایک وسیع و عریض قبرستان نظر آیا۔ گھوڑے سوار نے دل میں سوچا۔ کہ یہ شخص یا تو دیوانہ ہے اور یا کوئی مردِ کامل۔ پھر اس نے اس سے کہا۔ کہ بھئی! میں نے آبادی کا پوچھا

ہے۔ اور تم قبرستان بنا رہے ہو۔ یہ کیا بات ؟ تو وہ بولا۔ یہ اس لیے کہ میں نے دوسرے تمام مقامات کے لوگوں کو یہاں آتے دیکھا ہے، اور یہاں سے کسی کو کہیں جاتے نہیں دیکھا۔ اور آبادی کہتے ہی اس مقام کو ہیں۔ جہاں دور دور سے لوگ آئیں۔ اور وہاں سے پھر ویرانے کو نہ جائیں۔ تو میری نظر میں صحیح معنوں میں "آبادی" یہی ہے۔ (روض الفائق ص۴)

سبق: ہر ایک کو ایک دن مرنا ہے۔ اور اپنے شاندار مکان، محلے اور شہر چھوڑ کر قبرستان میں جانا ہے۔ جسے ہم آبادی کہتے ہیں۔ اسے ایک دن بربادی کا سامنا ہوگا۔ اصل آبادی تو قبرستان میں ہے۔ جہاں آہستہ آہستہ سب لوگ جمع ہو رہے ہیں۔

حکایت نمبر ۶۵۵

چار بزرگ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے احباب میں تشریف فرما تھے۔ اور وہ سب اللہ کے مقبول بندوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔ کہ میں

ایک روز بیت المقدس میں تھا۔ اور حج کے دنوں میں بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اس سال حج کے لیے نہ پہنچ سکنے پر بڑا افسوس کیا۔ اور دل میں سوچنے لگا۔ کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچ چکے ہوں گے۔ اور میں یہاں ہی ہوں۔ افسوس کہ میں اس نعمت سے محروم رہ گیا۔ میں رونے لگا۔ اور بہت رویا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہاتف سے ایک ندا سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ اے سری! مت رو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کسی سبب حج کے لیے مکہ معظمہ پہنچا دے گا۔ میں نے کہا۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ جبکہ مکہ معظمہ یہاں سے کافی دور ہے۔ اور میں یہاں بیت المقدس میں ہوں۔ آواز آئی۔ کہ اللہ کے لیے سب کچھ ممکن ہے۔ میں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور ہاتف کی آواز کی صداقت کے ظہور کی انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں مسجد بیت المقدس میں وجیہہ اور نورانی چہرے والے چار حضرات داخل ہوئے۔ ان کی نورانی صورتیں ایسی پُرنور تھیں۔ جیسے سورج چمک رہا ہو۔ ان چاروں میں سے ایک ان کا پیشوا تھا۔ اور تین ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے تو ساری مسجد جگمگا اٹھی۔ میں نے انہیں دیکھا تو اُٹھ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ پھر انہوں نے دو دو رکعات باجماعت نماز پڑھی۔ امام وہی بنا جو ان کا پیشوا تھا۔ نماز کے بعد ان کا وہ امام دعا مانگنے لگا۔ اور وہ تینوں اس کی دعا پر آمین

کہنے لگے۔ میں قریب ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بڑی رقت آمیز دُعا مانگ رہے ہیں۔ جب وہ دُعا سے فارغ ہو گئے۔ تو میں نے اُن سے السلام علیکم کہی۔ اور انہوں نے جواب دیا۔ پھر اُن کے اسی پیشوا نے مجھ سے کہا۔ مبارک باد! اے سرّی! کہ ہاتف سے تمہیں حج کی بشارت مل چکی ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں! یا سیدی! آپ کے یہاں تشریف لانے سے قبل مجھے ہاتف سے یہ بشارت ملی ہے وہ فرمانے لگے۔ ہاں ہاں! جب تمہیں وہ ندائے ہاتف سنائی گئی ہے۔ ہم اس وقت خراساں میں تھے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ حضور! خراساں کی مسافت تو یہاں سے سال بھر کی ہے۔ پھر آپ اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گئے؟ تو فرمایا۔ مسافت اگر ہزاروں سال کی بھی ہو۔ تو کوئی بات نہیں۔ زمین اسی خدا کی ہے جس کے ہم بندے ہیں۔ ہم اسی کے گھر کی زیارت کے لیے نکلے ہیں۔ اور پہنچا دینا بھی اسی کا کام ہے۔ دیکھو یہ سورج مشرق سے چل کر صرف ایک دن ہی میں مغرب میں پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ مشرق و مغرب میں مسافت کئی سالوں کی ہے۔ تو کیا سورج یہ اتنی طویل مسافت اپنی قدرت سے طے کرتا ہے؟ تو جب ایک بے جان وجود اپنی لمبی مسافت دن بھر میں طے کر لیتا ہے۔ تو جو اللہ کے مقبول بندے ہیں وہ اگر سال بھر کی مسافت پل بھر میں طے کر لیں۔ تو کونسی تعجب کی بات ہے پھر وہ

باہر نکلے اور مجھے ساتھ لے لیا۔ اور نماز ظہر کے وقت ہم ایک ایسی جگہ پہنچے۔ جہاں پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ مگر اسی مقبول حق کی برکت وکرامت سے ہم نے وہاں ایک ٹھنڈا چشمہ پایا۔ جس سے ہم نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر چلے۔ اور نماز عصر کے وقت ہمیں حجاز کی نشانیاں نظر آنے لگیں۔ اور مغرب سے پہلے پہلے ہم مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ مکہ معظمہ پہنچا کر وہ پاک لوگ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔

(روض الفائق ص۲۲)

سبق: اللہ کے مقبول بندوں کو اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی طاقتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ لوگ سینکڑوں میل کی مسافت پل بھر میں طے کر لیتے ہیں۔ پھر جو ان کے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی معراج پاک کا انکار کرنا کیوں گمراہی نہ ہوگی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی مرادیں اپنے بندوں کے ذریعہ ووسیلہ سے پوری فرماتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ بغیر چھڑی کے چل نہیں سکتے اور ایک میل ہی کی مسافت طے کر کے ان کا دم پھول جاتا ہے وہ لوگ ان اللہ والوں کی مثل بننے لگیں۔ تو بڑے ہی گمراہ ہیں۔

حکایت نمبر ۶۵۶

ایک بوڑھا شیر

(منظوم حکایت)

کہتے ہیں اک شیر جب بوڑھا ہوا — دوڑنے اور بھاگنے سے رہ گیا
ناخن و پنجہ کی طاقت کم ہوئی — دانت ٹوٹے پشت اسکی خم ہوئی
بھوک سے لاچار ہو مرنے لگا — فکر کر کے دل میں یہ حیلہ کیا
بن گیا بیمار اور جب جانور — پوچھنے آتا نہ آتا پھر نظر
لومڑی آئی عیادت کے لیے — غار کے در پہ لگی یہ پوچھنے
ہے طبیعت آپ کی کیسی حضور؟ — چشمِ بد ہوگئے خدا حضرت سے دور
شیر بولا عمر ہو تیری فزوں — بچی تو اندر نہیں آتی ہے کیوں؟
لومڑی نے یہ کہا۔ اے ظلِ رب — عرض کر دیتی ہوں اسکا بھی سبب
کہہ رہے ہیں مجھ کو یہ نقشِ پا — ہیں جو ظاہر غار کے در پہ شہا
سینکڑوں اندر گئے ہیں بالیقین — باہر آنے کا نشاں اک بھی نہیں

(دور منظوم ص۱۲)

سبق

کام سے پہلے ہے لازم سوچنا — یہ کہ ہے اس کام کا انجام کیا

حکایت نمبر ۶۵۷

آئینۂ حق نما (منظوم حکایت)

دیکھ کر احمد کا روئے پُر ضیاء — جہل سے بوجہل یوں بکنے لگا
سب سے بدرُو ہے بنی ہاشم میں تُو — کیوں حسین مشہور ہے عالم میں تُو
آپ نے فرمایا۔ ہے مجھ کو یقیں — تو بجا کہتا ہے اور جھوٹا نہیں
دیکھ کر صدیق نے پھر یہ کہا — آفتاب دو جہاں تو ہے شہا
چہرۂ روشن ہے ایسا پُر جمال — بدر کامل ہو مقابل کیا مجال
سرورِ عالم کا یوں ارشاد تھا — تو نے بھی صدیق! بالکل سچ کہا
یہ کہا یاروں نے ہو کے با ادب — اے نبی حیران ہیں ہم سب کے سب
آپ نے دونوں کی کیوں تصدیق کی — راست دونوں ہو نہیں سکتے کبھی
آپ نے فرمایا۔ اے یارانِ دیں — آئینہ بھی دیکھتے ہو یا نہیں
ہر کوئی جیسا ہے دکھلاتا ہے وہ — یہ سبق تم سب کو سکھلاتا ہے وہ
اے عزیزو میں بھی ہوں وہ آئینہ — عکس دیتا ہے دلوں کا جو دکھا

(دُرِ منظوم صہ ۴۲)

سبق

نورِ حق سے جن کے دل معمور ہیں — اُن کی نظروں میں محمد ﷺ نور ہیں
اور جن کے دل ہوئے تاریک تر — وہ کہیں احمد کو مثل اپنی بشر

حکایت نمبر ۶۵۸

توکّل

تھے مدینے میں یمن کے چند مرد
تھا توکّل میں ہر اک اُن میں سے فرد

سب گئے فاروق کو کرنے سلام
آپ نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو کام

بولے وہ کرتے نہیں ہم کوئی کار
ہے توکل پر ہمارا تو مدار

سُن کے یہ فاروق نے اُن سے کہا
یہ بھی کوئی کام ہے تعریف کا

مفت خورے کیوں نہیں کہتے کہ ہو
بوجھ اپنا ڈالتے اوروں پہ ہو

جاں کھپاتا ہے کوئی کھاتے ہو تم
اور توکل اس کو بتلاتے ہو تم

ہے توکل اصل میں دہقان کا
ہے توکل پیشۂ مردِ خدا

ڈال کر دانا فقط اُمید پر
رب پہ رکھتا ہے نظر جو سال بھر

(دورِ منظوم صفحہ ۱۲۱)

سبق

کار کر مت کر بھروسہ کار پر
کر بھروسہ قسمتِ جبار پر

حکایت نمبر ۴۵۹

قیمتی پیالہ

ایک بادشاہ کے پاس کوئی شخص بے حد قیمتی پیالہ لایا جو جواہرات سے جڑا ہوا تھا۔ بادشاہ ایسا لاجواب پیالہ پاکر بڑا خوش ہوا۔ ایک مرد دانا دربار میں حاضر تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا۔ کہ تو نے اس پیالہ کو دیکھا کیسا ہے؟ اس نے کہا۔ حضور! اس پیالہ کے ساتھ میں رنج وغم اور نقصان کو دیکھتا ہوں۔ اس پیالہ کے آنے سے پہلے آپ ان باتوں سے مطمئن تھے۔ مگر اب اس کے آنے سے رنج وغم اور نقصان کا بھی اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ یہ کیسے؟ وہ بولا۔ کہ اگر یہ ٹوٹ گیا۔ تو رنج وغم کا پیدا ہو جانا یقینی ہے اور اگر گم ہو گیا تو نقصان واقع ہو جائے گا۔ اتفاقاً وہ پیالہ ایک روز ٹوٹ گیا۔ تو بادشاہ کو بے حد رنج ہوا۔ اور وہ کہنے لگا۔ کہ اس مردِ حکیم نے سچ ہی کہا تھا۔ (کیمیائے سعادت للامام غزالی علیہ الرحمتہ صت ۳۴۷)

سبق: دنیا کی ہر چیز فانی اور انجام کار موجبِ حزن وملال ہے حقیقی اور ابدی راحت اگر ہے تو خدا کی یاد میں مالِ دنیا کی جتنی افراط ہو گی۔ اتنی ہی پریشانی بھی بڑھے گی۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے کہ

گرچہ ظاہر میں صورت گل ہے — پر حقیقت میں خار ہے دُنیا
ایک جھونکے میں آئے اِدھر سے اُدھر — چار دن کی بہار ہے دُنیا
زندگی نام رکھ دیا کس نے — موت کا انتظار ہے دُنیا

حکایت نمبر ۶۶۰
پُل صراط

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی ایک باندی نے ایک روز صبح عرض کی۔ امیرالمومنین! آج رات میں نے ایک خواب دیکھا آپ نے فرمایا بیان کر۔ وہ بولی میں نے دیکھا ہے کہ دوزخ بھڑکائی گئی ہے۔ اور پلصراط اس پہ رکھا گیا ہے۔ اور بعض خلفاء کو فرشتے لائے ہیں۔ پہلے خلیفہ مروان کو دیکھا۔ کہ فرشتے اُسے لائے ہیں۔ اور اُسے حکم دیا کہ پل صراط پہ چل۔ وہ تھوڑا سا چلا تھا۔ کہ دوزخ میں گر گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بولے۔ پھر آگے کیا ہوا؟ جلدی بیان کر۔ وہ بولی۔ پھر مروان کے بیٹے ولید کو لایا گیا۔ وہ بھی اسی طرح دوزخ میں گر گیا۔ آپ بے چینی سے بولے۔ جلدی کہو۔ پھر کیا ہوا۔ وہ بولی۔ کہ پھر ابن عبدالملک کو لائے۔ وہ بھی اسی طرح دوزخ میں گر گیا۔ آپ بولے۔

پھر کیا دیکھا؟ جلدی کہہ۔ وہ بولی۔ پھر آپ کو لایا گیا۔ باندی نے اتنا کہا ہی تھا۔ کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اِس ڈر سے کہ کہیں مجھے بھی اسی طرح دوزخ میں گرتے ہوئے نہ دیکھا گیا ہو۔ باندی نے چیخ کر کہا۔ امیر المومنین! خدا کی قسم! میں نے دیکھا۔ کہ آپ سلامت گزر گئے۔ باندی چیخ چلّا رہی تھی۔ مگر حضرت عمر بن عبد العزیز بے چینی میں لوٹتے اور ہاتھ پیر مارتے تھے۔ کافی دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا۔

(کیمیائے سعادت صہ۴۹۶)

سبق: اللہ کے مقبول بندوں کے دل میں عاقبت کا خوف رہتا ہے۔ اور وہ کبھی ایسا کام نہیں کرتے جس کا انجام دوزخ میں گرنا ہو۔ ایک وہ پاک لوگ بھی تھے۔ کہ ہر وقت عاقبت کی فکر رہتی تھی۔ اور ایک یہ لوگ بھی ہیں۔ جو علی الاعلان کہتے ہیں۔ کہ سہ

عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گزرتی ہے

خدا ایسے غفلت آموز شعروں سے بھی بچائے۔

حکایت نمبر ۱۶۶

عدل و انصاف

جنگ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک میں ایک تیر پکڑ کر مجاہدین کی صفیں درست فرما رہے تھے۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ صف سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اُس تیر سے حضرت سواد کی پیٹھ کو چھو کر فرمایا۔ اے سواد! صف کے برابر ہو جاؤ۔ حضرت سواد نے عرض کیا۔ حضور! آپ کے اس تیر کے میرے بدن کے ساتھ چھو جانے سے مجھے جو ٹھوکر سی لگی ہے۔ میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حضور! آپ عدل و انصاف کے منبع و مخزن ہیں مجھے اس کا بدلہ لینے دیجئے۔ حضور علیہ السلام نے وہی تیر حضرت سواد کو دیا۔ اور کہا۔ لو تم بھی اس تیر سے میرے بدن پر ٹھوکر لگا لو۔ حضور علیہ السلام نے بدلہ دینے کو اپنی قمیض مبارک پشتِ انور سے اٹھائی تو حضرت سواد نے حضور کے بدنِ انور سے چمٹ کر مہرِ نبوت کو چوم لیا۔ اور عرض کیا میرے آقا! میں نے تو اس بہانے سے بدنِ انور سے اپنا بدن لگا لیا ہے۔ تاکہ بدنِ انور کی برکتوں سے میں مالا مال ہو جاؤں۔ (نزہتہ المجالس صفحہ ۹۳ ج ۲)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف اور رحم و کرم کے پیغمبر ہیں۔ اور آپ نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ ہم بھی عدل و انصاف کو اپنائیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن انور سے چھو جانے سے انسان کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ پھر آج اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک نہ پا کر آپ کے اسم مبارک ہی کو چوم لے۔ تو خدا تعالیٰ اس پر کیوں فضل و کرم نہ فرمائے گا۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے ؎

ترا آستاں جو نہ مل سکا، تری رہگذر پہ جبیں سہی
ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے جو وہاں نہیں تو یہیں سہی

حکایت نمبر ۲۶۲

رستہ

حضرت ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ کہ راستے میں ایک کتا آتا ہوا نظر آیا مریدین نے آگے بڑھ کر کتے کو دھتکارا۔ حضرت نے فرمایا۔ اسے مت دھتکارو۔ کیونکہ راستہ ہم میں اور اس میں مشترک ہے۔ (نزہۃ المجالس صفحہ ۹۴ ج ۲)

سبق: اللہ کے مقبول بندے جانوروں تک سے بھی نیک سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اور اپنی عظمت و بڑائی کا خیال تک نہیں لاتے۔

حکایت نمبر ۶۶۳

نامِ اقدس

ایک یہودی تورات پڑھ رہا تھا۔ اس نے تورات میں ایک صفحہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقدس لکھا دیکھا۔ یہودی نے بغض و کینہ سے اُس نامِ پاک کو کھرچ ڈالا۔ دُوسرے روز تورات کھولی۔ تو اُسی صفحہ پر یہ نامِ اقدس چار جگہ لکھا دیکھا۔ غصہ میں آکر اُس نے اس نامِ پاک کو پھر کھرچ ڈالا۔ تیسرے روز اُس نے دیکھا۔ کہ اُسی صفحہ پر یہ نامِ اقدس آٹھ جگہ لکھا ہوا ہے۔ اس نے پھر یہ نامِ پاک سب جگہ سے کھرچ دیا۔ چوتھے دن اُس نے اس نامِ اقدس کو بارہ جگہ لکھا دیکھا۔ اب اس کی حالت بدلی۔ اور اس نامِ پاک کی دل میں محبت پیدا ہو گئی۔ اور اس نام والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے شام سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاق دیکھئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ مگر ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال پاک ہو چکا تھا۔ جب یہ مدینہ منورہ پہنچا۔ تو اس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ اور حضرت علی سے حضور کے وصال کا علم ہوا۔ اب تو یہ سخت بے چین ہوا۔ اور حضرت علی سے کہنے لگا۔ کہ مجھے حضور کے بدنِ انور کا کوئی کپڑا دکھا دیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور کا ایک کپڑا مبارک اُسے دیا۔ اُس یہودی نے پہلے تو اُسے سُونگھا۔ پھر حضور کے روضۂ انور کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا۔ اور مسلمان ہو کر دُعا مانگی۔ کہ الٰہی! اگر تو نے میرا اسلام قبول کر لیا ہے۔ تو مجھے اپنے محبوب کے پاس بلا لے۔ اتنا کہا۔ اور حضور کے سامنے ہی انتقال کر گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے غسل دیا اور جنت البقیع میں اُسے دفنایا۔

(نزہۃ المجالس صفحہ ۱۴۴ ج ۲)

سبق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ پاک کوئی کینہ پرور لاکھ مٹانا اور گھٹانا چاہے۔ مگر بمصداق ؎

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالٰے تیرا

حضور کا نامِ انور نہ مٹا نہ مٹ سکتا ہے۔ مٹانے والے خود مٹ گئے۔ مگر اس نامِ اقدس کو وہی قرار اور اس کی وہی بہار ہے جو پہلے تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

حکایت نمبر ۴۶

دُنیوی محبُوب

ایک امیر آدمی ایک غریب مگر نیک آدمی کی لڑکی پر عاشق ہوگیا۔ غریب باپ کو پتہ چلا۔ تو اُس نے اپنی بیٹی کو سخت اسہال آور دوائی کھلا دی جس سے اُس لڑکی کو کثرت کے ساتھ اسہال آنے لگے باپ اُس کے اس مادۂ غلاظت کو ایک بڑے مٹکے میں جمع کرتا رہا۔ لڑکی کثرتِ اسہال سے بے حد لاغر اور دبلی ہوگئی۔ اور رنگ بھی پیلا پڑ گیا۔ پھر اُس غریب آدمی نے اس رئیس کو پیغام بھیجا۔ کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔ اور میری لڑکی کو جو آپ کی محبُوبہ ہے دیکھ لیں اور دل چاہے تو اُس سے نکاح کرلیں۔ وہ امیر آدمی خوش خوش اس کے گھر آیا۔ اور جب اُس لڑکی کو دیکھا تو وہ پہلا سا حُسن و جمال نہ دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا کہ مجھے جس حُسن و جمال سے محبّت تھی۔ وہ تو سب نظر نہیں آتا۔ لڑکی کے باپ نے کہا۔ ٹھہریئے آپ کا وہ محبوب حُسن و جمال بھی میں نے ایک مٹکے میں محفوظ رکھا ہے۔ آپ اپنے محبوب ہی کو ساتھ لیتے جایئے۔ چنانچہ وہ غلاظت سے پُر مٹکا اُٹھا لایا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اسی میں ہے آپ کا وہ محبوب جو جب تک اس لڑکی اندر موجُود

تھا۔ تو یہ لڑکی آپ کو اچھی لگتی تھی۔ اور اب یہ اس میں سے نکل گیا ہے۔ تو لڑکی اچھی نہیں لگتی۔ لیجئے آپ کا محبوب حاضر ہے۔ لے جائیے اُسے ساتھ۔ وہ امیر آدمی بڑا شرمندہ ہوا۔ اور اُٹھ کر چلا گیا۔

(مثنوی شریف)

سبق : دنیوی اور غیر شرعی محبت غلاظت کا ایک ڈھیر ہی ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ حسنِ ظاہری پہ فریفتہ نہ ہو کہ اس کی اصل سراسر غلاظت کی پوٹ ہی ہے ؎

روغنی ہے ظرفِ انسانی بظاہر اور باصل
ہم کو ہے معلوم جو کچھ اُس کی آبِ گل میں ہے

حکایت نمبر ۶۶۵

چالاک عورت

(منظوم حکایت)

تھا مجرّد اور بوڑھا ایک مرد	آزمودہ تھا جہاں کے گرم سرد
چین سے رہتا تھا وہ صبح و مسا	آئی کمبختی نکاح اک جا کیا
بیوی جو آئی بڑی چالاک تھی	بدرویہ بے حیا، بے باک تھی

چاٹنے کھانے سے اس کو کام تھا
اور یہی کام اس کا صبح و شام تھا

ایک دن مہمان آیا اُن کے گھر
اُس کی خاطر گوشت آیا سیر بھر

بھونتی جاتی تھی جب کہ دیگچی
بوٹی اک اک چن کے ظالم کھا گئی

دیکھ کر ہانڈی کو خالی یہ کیا
لائی باہر سے میاں کو وہ بلا

اور کہا تم کو نہ آئے گا یقیں
ہے مگر سچ جھوٹ ذرہ بھر نہیں

اس نگوڑی بلی کو تم دیکھنا
بیٹھی ہے کیا بھولا بھالا منہ بنا

بھونتی تھی میں مصالحہ گوشت کا
گوشت تھا اک طاس میں رکھا ہوا

میں لگی چکھنے مصالحہ کا نمک
گوشت سارا کر گئی چٹ بیدھڑک

کچھ نہ بولا مرد صاحب دل مگر
جا کے لے آیا ترازو دوڑ کر

پلڑہ میں بلی کو رکھا کی نہ دیر
وزن میں پوری جو نکلی ایک سیر

یہ کہا مجھ کو بتا اے بے حیاء
وزن ہے بلی کا یہ۔ یا گوشت کا؟

گوشت ہے گر یہ تو بلی ہے کہاں؟
ہے جو بلی گوشت کا دے تو نشاں!

نتیجہ

ناؤ کاغذ کی کبھی بہتی نہیں
کاٹ کی ہنڈیا سدا رہتی نہیں

جھوٹ تیرا ظاہر اک دن ہو گیا
چور کے سو دن تو اک دن سادھ کا

(درمنظوم ترجمہ مثنوی شریف)

حکایت نمبر ۶۶

حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عبدالرحمٰن بن جعفر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ میں بصرہ میں رہتا تھا۔ اور میرے پڑوس میں ایک مسجد تھی جس میں میں پانچوں نمازیں با جماعت ادا کیا کرتا تھا۔ اس مسجد کے امام ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ جو "ابو سعید" کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت ابو سعید ہر روز صبح بعد از نماز فجر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال میں حج کے لیے گھر سے نکلا۔ اس سال بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ اس لیے میں جس قافلہ کے ساتھ تھا۔ رات کو ان سے جدا ہو کر ساری رات سفر کرتا۔ اور صبح ہوتی تو کسی منزل پہ قیام کر لیتا۔ اور دن بھر وہیں رہتا۔ شام تک میرا قافلہ بھی وہاں آجاتا۔ اور میں دوسری رات پھر آگے بڑھتا۔ ایک رات میں راستے سے بھٹک گیا۔ اور اپنے قافلہ سے بالکل جدا ہو گیا۔ اور ایک خطرناک دشت میں پہنچ گیا۔ سورج چڑھا۔ تو دل گھبرایا۔ کہ اب کیا ہوگا۔ دوپہر کو گرمی کی شدت اور ریت کا صحرا اور قافلے سے جدائی۔ ان باتوں نے موت کا یقین دلا دیا۔ اور اس تصور سے ایک مقام پر لیٹ گیا۔ اور موت کی انتظار

کرنے لگا۔ اتنے میں مجھے کسی شخص کی آواز سنائی دی۔ جو میرا نام لے کر مجھے پکار رہا تھا۔ میں نے حیران ہو کر اُوپر جو دیکھا تو یہ وہی مسجد کے امام ابوسعید تھے۔ انہیں اس دشت میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور اللہ کا شکر بھی ادا کیا۔ ابوسعید فرمانے لگے۔ تم بھوکے معلوم ہوتے ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں! فرمایا۔ لو یہ روٹی کھاؤ۔ پھر فرمایا۔ تم پیاسے بھی ہو؟ کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ لو پانی بھی موجود ہے۔ چنانچہ میں نے پیٹ بھر کر روٹی بھی کھائی اور پانی بھی پیا۔ اور میری جان میں جان آئی۔

حضرت ابوسعید نے پھر فرمایا۔ لو اب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اور تھوڑی ہی دیر چلنے کے بعد مکہ معظمہ کے شہر کی دیواریں نظر آنے لگیں۔ اور ہم مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ پھر آپ نے مجھے ایک جگہ ٹھہرا کر فرمایا۔ کہ یہیں ٹھہرو۔ تمہارا قافلہ تین دن کے بعد یہاں پہنچے گا۔ آپ نے مجھے ایک روٹی دی اور فرمایا یہ تمہارے لیے کافی ہے۔ چنانچہ میں تین دن تک اسی ایک روٹی سے دو لقمے کھاتا رہا اور سیر شکم ہو جاتا رہا۔ تیسرے روز ہمارا قافلہ بھی آپہنچا۔ اور پھر جب ہم عرفات میں پہنچے۔ تو میں نے حضرت ابوسعید کو جبلِ رحمت کے قریب دُعا میں مشغول دیکھا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ تو فراغت کے بعد انہوں نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔ کہ کچھ حاجت ہو تو کہو۔ میں نے کہا۔ میرے لیے دُعا کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے

دعا کی۔ اسکے بعد پھر انہیں نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ جب ہم حج کے بعد بصرہ پہنچے۔ اور رات گھر قیام کرنے کے بعد صبح اُسی مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ تو حضرت ابو سعید ہی جماعت کرا رہے تھے۔ اور بعد نماز آپ نے حسب دستور وعظ بھی فرمایا۔ وعظ کے بعد میں نے ان سے مصافحہ کیا۔ تو آپ نے میرا ہاتھ دبایا۔ گویا اشارہ فرمایا کہ راز ظاہر نہ کرنا۔ میں نے مسجد کے موذن سے پوچھا۔ کہ حضرت ابو سعید ان دنوں کہیں گئے تو نہیں تھے تو موذن نے حلفیہ بیان کیا۔ کہ ایک روز بھی آپ مسجد سے غیر حاضر نہیں رہے۔ باقاعدہ پانچوں نمازیں پڑھاتے رہے ہیں۔ اور صبح وعظ بھی فرماتے رہے ہیں۔ یہ بات سن کر میں نے یقین کر لیا۔ کہ حضرت ابو سعید ابدال میں سے ہیں۔ (روض الفائق صـ۲۴۸)

سبق ؛ معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے مقبولوں کو خدا تعالیٰ نے بڑی طاقتیں عطا کر رکھی ہیں۔ وہ دنوں اور مہینوں کا رستہ پل بھر میں طے کر لیتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ وہ ایک وقت میں یہاں بھی اور وہاں بھی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندے مشکل اور مصیبت کے وقت مدد کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ پھر جو ان مقبولوں کے بھی سردار اور رسولوں کے بھی رسول اور ساری کائنات کے بادشاہ ہیں یعنی حضور سید الانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کے اختیار و تصرف اور ان کے دافع البلاء اور حامی ناصر ہونے میں اگر کوئی شخص کلام کرنے لگے تو وہ کس قدر جاہل و بدنصیب ہے۔

حکایت نمبر ۶۶

مرد ذاکر

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ ایک روز میں مسجد حرام سے نکل کر جبل ابی قبیس پر گیا۔ تو میں نے ایک سیاہ رنگ آدمی کو دیکھا۔ جو بڑے ذوق و شوق سے ذکرِ حق میں مشغول تھا۔ اور یہ کلمات کہہ رہا تھا "اَنْتَ۔ اَنْتَ یَاھُوَ۔ یَاھُوَ" بس یہی کلمات بار بار دُہرا رہا تھا۔ میں نے جب اسے دیکھا کہ ان کلمات کے سوا اور کچھ کہتا ہی نہیں۔ تو میں نے اس سے کہا کہ تم پاگل تو نہیں ہو؟ یہ سُن کر وہ بولا۔ کہ یاشیخ! پاگل تو وہ ہے جو اتنے قدم چل کر یہاں پہنچے۔ اور اس عرصہ میں اپنے مالک کو ایک بار بھی یاد نہ کرے" میں نے کہا۔ بھئی! خُدا کا ذکر دل سے کرنا زیادہ افضل ہے۔ وہ بولا۔ ٹھیک ہے مگر دل جب ذکرِ حق سے پُر ہو جاتے۔ تو وہ زبان پر بھی چھلکنے لگتا ہے۔ اتنا کہہ کر وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ اور میں بڑا نادم ہوا۔ کہ میں نے ایسے مقبول سے یہ تکرار کیوں کی۔ پھر رات کو جب سویا ہوں۔ تو خواب میں ایک ندائے ہاتف سُنی۔ کہ اس سیاہ رنگ کے آدمی کی ہمارے نزدیک بہت بڑی قدر ہے۔ اور قیامت کے روز ہم اُسے ایک ایسا نور عطا فرمائیں گے جس نور سے

سارا ماحول چمک اُٹھے گا۔ (روض الفائق صہ)

سبق: اللہ کے مقبول بندوں کا دل بھی اور زبان بھی خدا کے ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ اور وہ کسی لمحہ اپنے مالک کو فراموش نہیں کرتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مقبولانِ حق کو کبھی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ یہ اپنے اللہ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت کے مالک ہوتے ہیں۔

حکایت نمبر ۶۶۸

تین تیر

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے قزاق تھے۔ ایک رات وہ اپنے غلام کی گود میں سر رکھے سو رہے تھے۔ کہ دفعتاً ایک قافلہ ظاہر ہوا۔ قافلہ والوں نے جب راہ میں فضیل کو دیکھا۔ تو ڈر گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اب ہم کیا کریں۔ فضیل قزاق وہ راستے میں موجود ہے قافلہ میں تین شخص حافظِ قرآن اور قاری بھی تھے۔ کہنے لگے۔ ٹھہرو ہم اس پر تین تیر برساتے ہیں۔ ممکن ہے وہ اثر کر جائیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے تیر پھینکا اور یہ آیت پڑھی ا۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ

"کیا ایمان داروں پر وہ وقت نہیں آیا۔ کہ ذکر الٰہی سے ان کے دل کپکپا اٹھیں"۔

فضیل نے یہ آیت سنی تو لرز گئے۔ اتنے میں دوسرے نے یہ آیت پڑھی:۔

فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ۔

"اللہ کی طرف رجوع کرو۔ میں اس کی طرف سے تمہیں ڈراتا ہوں"۔

یہ آیت سن کر فضیل چیخ مار کر رونے لگے۔ اتنے میں تیسرے نے یہ یہ آیت پڑھ دی:۔

وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ۔

"اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ اور عذاب ٹوٹ پڑنے سے پہلے پہلے مان جاؤ۔ کیونکہ اس وقت تمہیں مدد نہ ملے گی۔"

اب تو فضیل بے قابو ہو گئے اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے۔ یہاں سے سب پلٹ جاؤ۔ میں اپنی کرتوتوں پہ نادم ہوں۔ میرے دل میں خوف الٰہی گھر کر گیا ہے۔ یہ کہہ کر مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔ اور سچے دل سے تائب ہو کر اللہ کے ولیوں میں شمار ہونے لگے۔

(نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۹۵)

سبق: اللہ کا خوف بڑی اچھی چیز ہے۔ اس سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اور عمر بھر کے گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔ اور آدمی اللہ کا مقبول بن جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۶۶۹

حلوہ فروش

ایک بزرگ جن کا نام احمد تھا۔ وہ قرض لے لے کر لوگوں کو کھلایا پلایا کرتے تھے۔ اس عادت کی وجہ سے ان کے ذمہ بہت سا قرض ہو گیا۔ آپ کا جب آخری وقت آیا۔ تو قرضخواہ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ اور تقاضا کرنے لگے۔ کہ آپ تو مر رہے ہیں۔ ہمارے روپے تو کسی طرح دیتے جائیے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک حلوائی لڑکا حلوے کی سینی لیے ہوئے حلوے کی آواز دیتا ہوا گزرا۔ حضرت احمد نے اسے بلوایا اور سب حلوہ اس سے خرید لیا۔ اور ان سب قرضخواہوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے حلوے کے پیسے مانگے تو آپ نے فرمایا۔ کہ جہاں یہ لوگ بیٹھے ہیں۔ تو بھی بیٹھ جا۔ یہ سب میرے قرض خواہ ہیں۔ تو بھی ان میں شامل ہو جا۔ لڑکے نے رونا شروع کر دیا۔ کہ میں ایک غریب اور غریب باپ کا لڑکا ہوں۔ میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔ لوگوں کو یہ بات بہت ناگوار گزری کہ ناحق اس لڑکے کو ستایا۔

اور رُلایا۔ وہ بزرگ خاموش پڑے تھے۔ اتنے میں ایک رئیس کا فرستادہ آیا۔ اور بہت سا روپیہ سامنے لا کر رکھ دیا اور کہا۔ کہ یہ فلاں رئیس نے بھیجا ہے۔ حضرت نے اس روپے سے سب قرضخواہوں کا قرض ادا کر دیا۔ ایک خادم نے عرض کیا۔ کہ حضرت اس میں کیا حکمت تھی کہ آپ نے مرتے دم بھی حلوائی لڑکے سے حلوہ خرید کر اپنے ذمہ قرض اور بڑھا لیا۔ فرمایا۔ کہ میں نے خدا سے دُعا کی کہ میرا قرض ادا ہو جائے۔ تو ارشاد ہوا کہ قرض کی ادائیگی کوئی مشکل نہیں۔ مگر کوئی روئے تو دریائے رحمت جوش میں آئے۔ لیکن تمہارے ان قرضخواہوں میں کوئی رونے والا تو ہے نہیں سب خاموش بیٹھے ہیں۔ اس لیے میں نے اُس غریب لڑکے سے حلوہ خریدا۔ جب اس نے رونا شروع کر دیا۔ تو اسی وقت رحمتِ حق کو جوش آیا۔ تو یہ میری ایک ترکیب تھی۔ جو کام آئی۔

تا نہ گرید کودکِ حلوہ فروش
بحرِ بخشائش نمی آید بجوش (مثنوی شریف)

سبق: اللہ کے حضور تضرع و زاری بڑی مقبول ہے جو لوگ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر روتے اور سچے دل سے تائب ہو جاتے ہیں رحمتِ حق انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

در تضرع باش تا شاداں شوی ۔۔۔ گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی
اے خوشا دل کہ آں بریانِ اوست ۔۔۔ اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست

حکایت نمبر ۴۰

چالاک لومڑی

ایک شیر نے جنگل کے جانوروں کو حکم دیا۔ کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ آئندہ مار دھاڑ اور شکار کر کے کھانے کی زحمت مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ میرا حکم ہے۔ کہ فلاں غار میں ہر روز تم خود ہی کسی جانور کو منتخب کر کے میرے پاس بھیجدیا کرو۔ تاکہ میں بیٹھے بٹھائے اپنا شکار پا لیا کروں۔ جانوروں نے یہ شاہی حکم پا کر ہر روز کسی جانور کو منتخب کر کے اُس غار میں بھیجنا شروع کیا۔ دس پندرہ دن کے بعد لومڑی کا نمبر آ گیا اور غار میں اُسے جانا پڑ گیا۔ چلتے ہوئے لومڑی نے سارے جانوروں سے کہا۔ کہ اللہ نے چاہا تو آج تم سب کی مشکل دور کر کے آؤں گی۔ دُعا کرتے رہنا۔ آج میرا ارادہ شیر کو ختم کر کے آنے کا ہے۔ جانور حیران ہوئے۔ کہ یہ کیا کہتی ہے؟ لومڑی چلی گئی۔ اور وقت مقرر سے بالارادہ کچھ دیر سے غار میں پہنچی۔ شیر نے غصہ میں پوچھا۔ کہ دیر سے کیوں آئی؟ لومڑی نے جواب دیا۔ حضور! ہم دو بہنیں تھیں۔ اور ہم دونوں ہی آپ کے "راشن" کے لیے آ رہی تھیں کہ راستے میں ایک اور شیر مل گیا۔ اس نے زبردستی میری بہن کو پکڑ لیا۔ اور کہا۔ کہ اسے میں کھاؤں گا۔ اور

اُسے ساتھ لے گیا۔ میں نے بہتیرا کہا۔ کہ ہم دونوں اپنے بادشاہ کی خوراک ہیں۔ مگر حضور! وہ تو آپ کو بھی کچھ نہیں سمجھتا۔ اور آپ کی پرواہ کیے بغیر میری بہن کو لے گیا ہے۔ یہ قصّہ سُن کر شیر غصّہ میں آگیا۔ اور کہا چلو مجھے وہ شیر دکھاؤ کہاں ہے؟ پہلے میں اُس سے نپٹ لوں۔ چنانچہ لومڑی اُسے ایک گہرے کنوئیں پر لے آئی۔ اور شیر کو کنوئیں کے کنارے کھڑا کر کے ساتھ ہی آپ بھی کھڑی ہو گئی۔ اور کنوئیں کے اندر پانی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔ حضور! وہ دیکھئے۔ وہ شیر ہے۔ اور وہ ساتھ ہی اُس کے میری بہن کھڑی ہے۔ شیر نے دیکھا۔ تو اُسے واقعی (اپنا عکس) شیر نظر آیا۔ اور ساتھ ہی لومڑی کا عکس، لومڑی بھی نظر آئی۔ تو غصّہ میں اُس نے منہ پھاڑ کر اُس (اپنے ہی عکس) شیر پر حملہ کرنے کو جست لگا دی اور جست لگاتے ہی کنوئیں میں جا پڑا۔ لومڑی نے کنارے پر سے کہا۔ بادشاہ سلامت! بندی سلام عرض کرتی ہے۔ افسوس! کہ آپ کا آخری وقت آپہنچا۔ یہ کہہ کر لومڑی واپس چلی گئی۔ اور شیر کنوئیں میں ڈوب کر مر گیا۔ (مثنوی شریف)

سبق: جس طرح اُس شیر نے بزعم خویش دُوسرے شیر پر حملہ کیا تھا۔ حالانکہ وہ اس کا حملہ کسی غیر پر نہ تھا۔ بلکہ خود اپنی ہی ذات پر تھا۔ جس کے باعث وہ ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح وہ لوگ جو اپنے بھائیوں کو لوٹتے ہیں۔ کم تولتے ہیں۔ رشوت لیتے ہیں۔ اور دوسروں پر

ظلم کرتے ہیں وہ دراصل کسی دُوسرے پر نہیں بلکہ خود اپنی ہی جان پر ظلم کرتے ہیں بس اگر سلامتی درکار ہے۔ تو کسی بھائی پر ظلم نہ کرو۔

حکایت نمبر ۱۷۶

اِتّفاق (منظوم حکایت)

ایک جنگل میں کہیں دو بیل تھے
شیر نے اُن پر کئی حملے کیے

وہ مگر رہتے تھے دونوں ایک جا
ایک لحظہ بھی نہ ہوتے تھے جُدا

مل کے اور سینگوں کو کرکے سامنے
مارتے تھے دونوں ٹکر شیر کے

جب لگاتے مل کے ٹکر اور سُم
بھاگتا تھا شیر ہوکے نوک دُم

کام دیکھا زور سے چلتا نہیں
فکر کر تدبیر یہ سوچی وہیں!!!

بیل کے موقعہ ایک سے اس سے کہا
مُفت کیوں کھوتا ہے جان اپنی بھلا

یار سے تیرے عداوت ہے مجھے
کچھ بھی ہو جائے نہ چھوڑوں گا اُسے

ہے قسم مجھ کو خدا کی کر یقین
تجھ سے میرے دل میں کینہ کچھ نہیں

دوستانہ یہ سمجھ میرا سخن!
ساتھ اس کا چھوڑ دے احمق نہ بن

آگیا دشمن کے دم میں وہ گدھا
بیل ہی آخر تھا دھوکا کھا گیا!

اسطرح سے جب گئے دونوں وہ پھٹ
شیر نے فوراً کیا دونوں کو چٹ

(موتیوں کا ہار ترجمہ مثنوی شریف)

سبق

ہے عجیب شے اتفاقِ باہمی — یہ کہاوت کیا نہیں تم نے سنی
دشمنوں کو زیر کرنا ہو اگر — تفرقہ ڈال ان میں اور مغلوب کر

حکایت نمبر ۲۷

دل کی بات

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے پہلے پیر کا نام بھی شاہ عبدالرحیم صاحب ہی تھا۔ فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ میں اپنے پیر کا سر دبا رہا تھا پیر صاحب نے کہا۔ کہ خوب اچھی طرح زور سے دباؤ۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ جو بہت زور سے دباؤں گا۔ تو سر خربوزہ کی طرح پچک جائے گا۔ (کیونکہ شاہ صاحب خوب قوی تھے) پیر صاحب نے فرمایا۔ کہ نہیں بھائی تم خوب زور سے دباؤ۔ خربوزہ کی طرح نہیں پچکے گا۔

(ملفوظات حسن العزیز صفحہ ۹۲ یعنی مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات)

سبق: ان اللہ کے ولیوں سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ اور وہ دلوں کی باتیں بھی جان لیتے ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں کلام کرے۔ اور یہ کہے کہ انہیں دیوار پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ تو وہ کس قدر جاہل ہے۔

حکایت نمبر ۶۷۳

دُور دراز سے

ایک مغربی شخص نے ایک رئیس سے ۱۵۰ روپے قرض مانگے۔ رئیس نے کہا کہ ایک صاحب میرے دوست ہیں۔ ان کا ایک دشمن لندن میں ہے۔ اگر تم اس کو کسی ترکیب سے مار دو۔ تو میں تمہیں ان سے ۱۵۰ روپے دلوا دوں گا۔ اس شخص نے وعدہ کیا۔ چنانچہ صاحب کے پاس گئے۔ اس شخص نے ایک آئینہ منگوایا۔ اور صاحب سے اس آئینہ میں دیکھنے کے واسطے کہا۔ چنانچہ دیکھا۔ تو اس میں لندن نظر آیا۔ اور وہ دشمن بازار میں جا رہا تھا۔ اس شخص نے صاحب سے کہا کہ آپ نشانہ درست کر کے بندوق کا فیر کیجئے۔ چنانچہ فیر کیا گولی غائب ہو گئی۔ وہ صاحب برابر آئینہ میں دیکھتے رہے۔ کہ وہ شخص گولی کھا کر گرا۔ پھر انہوں نے احتیاطاً لندن سے بذریعہ تار اپنے کسی دوست سے خبر منگائی کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے۔ وہاں سے خبر آئی کہ وہ فلاں تاریخ اس طرح ہلاک ہوا۔ کہ دفعۃً گولی آکر لگی۔ اور پتہ نہ چلا۔ کہ کس نے گولی چلائی۔ پولیس تحقیقات میں مصروف ہے۔ قاتل کا ہنوز پتہ نہیں چلا۔ جب صاحب کو اپنے دشمن کی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ تو انہوں نے معاہدہ سے کچھ زیادہ

روپے پیش کیے۔ تو اُس مغربی نے صرف ۱۵۰ روپے لے کر باقی زائد واپس کر دیئے۔ (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات حسن العزیز ص۹۳)

سبق: ایک مغربی شخص اگر اتنی دور دراز سے کسی شخص کو لندن میں ضرر پہنچا سکتا ہے۔ اور اس کی گولی سینکڑوں میل دور سے مار کر سکتی ہے۔ اور ایک آئینہ کے ذریعہ وہ سینکڑوں میل دور کی چیز دیکھ سکتا ہے اور دکھا بھی سکتا ہے تو پھر اللہ کے ولی میں یہ طاقت کیوں نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ سینکڑوں میل دور کی چیز کو آئینہ کرامت کے ذریعہ سے دیکھ بھی لے اور دکھا بھی دے۔ اور دور دراز سے وہ اپنے عقیدت مندوں کی مدد فرمائے۔ اور نفع پہنچائے۔ اور پھر جو ان سب مقبولوں کے سردار حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی بے پناہ طاقتوں اور بے نظیر تصرفات کا جو انکار کرے۔ اور یوں کہے کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ اور وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ تو وہ شخص کس قدر بدبخت اور گمراہ ہے۔

حکایت نمبر ۶۷

حق حق حق

شیخ احمد عبدالحق ردولوی نے شادی کی۔ اولاد بھی ہوئی۔ مگر

اولاد زندہ نہ رہتی تھی جو بچہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ تین مرتبہ حق حق حق کہہ کر مر جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کی بی بی اس رنج کی وجہ سے کہ اولاد نہیں جیتی۔ آپ کے سامنے روئیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اچھا اب جو بچہ پیدا ہوگا۔ وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ پھر جو بچہ پیدا ہوا۔ اس نے حق حق حق نہیں کیا۔ اور وہ زندہ رہا۔ (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات حسن العزیز صفحہ ۱)

سبق: معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے مقبولوں سے فریاد کرنا جائز ہے۔ اور اللہ کے ولیوں سے اولاد اور اولاد کی زندگی طلب کرنا شرک نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے مقبولوں کی نظر سے موت بھی زندگی بن جاتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بات اللہ کے مقبول کہہ دیں وہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے ولیوں کو یہ علم ہوتا ہے کہ فلاں بچہ مر جائیگا اور فلاں زندہ رہے گا۔ پھر جو سارے ولیوں اور نبیوں کے بھی سردار کے اختیار و تصرف میں اور ان کے علم پاک میں کلام کرے وہ کس قدر بدنصیب اور ناقدر شناس شانِ رسالت ہے۔

نوٹ:- یہ تینوں حکایات مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی بیان کی ہوئی ہیں۔ لہٰذا جو شخص مولوی صاحب مذکور سے عقیدت رکھتا ہے۔ اُسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب اور حضور کے اختیار و تصرف کا انکار زیب نہیں دیتا۔ یونہی اولیاء کرام کے مطلع علی الاسرار ہونے

اور ان کے تصرفات کو شرک بتانا مولوی اشرف علی صاحب کی ان تحریرات کے خلاف ہے اور اسی طرح مولوی اشرف علی صاحب کی کوئی اپنی تحریر بھی جو کسی دوسری جگہ ان تحریرات کے خلاف ہو قابل قبول ہرگز نہیں حق یہی ہے جو ان اوپر کی حکایات میں لکھا گیا ہے۔

حکایت نمبر ۶۷۵

فرعون کی ہلاکت

ایک روز خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ! میری طرف سے فرعون سے کہو۔ کہ کیا تم مجھ سے صلح کرنے کی خواہش رکھتے ہو؟ اگر رکھتے ہو۔ تو تم نے ساری عمر اپنے نفس کی پیروی میں گزار دی۔ اب اگر ایک سال بھی تم ہماری مرضی پر چلو۔ تو ہم تیرے عمر بھر کے گناہ معاف فرما دیں گے۔ اور اگر تم سے اس قدر نہ ہو سکے۔ تو صرف ایک مہینہ ہی ہماری اطاعت کرو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے۔ تو ایک روز ہی سہی۔ یہ بھی نہیں تو ایک سانس میں لا الٰہ الا اللہ کہہ لو۔ تو ہماری تمہاری صلح ہو جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیغام حق فرعون تک پہنچایا تو وہ ظالم

غصے میں آگیا۔ اور سارے لشکر کو جمع کر کے بر سرِ دربار کہنے لگا۔ کون ہے میرے سوا دوسرا کوئی رب؟ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ فرعون کا یہ متکبرانہ اعلان سُن کر زمین و آسمان لرز اُٹھے۔ اور اس کے ہلاک کئے جانے کی خدا تعالیٰ سے دُعا مانگی۔ حکم ہوا۔ کہ فرعون کتے کی مانند ہے۔ اسے تو صرف ایک لکڑی ہی کافی ہے۔ اے موسیٰ! تم اپنا عصا زمین پر ڈالو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عصا زمین پہ ڈالا۔ تو وہ ایک عظیم اژدہا بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ عصا لے کر فرعون کے دربار میں پہنچے۔ اور اُسے اپنا یہ کرشمہ دکھایا۔ تو وہ ڈر کر اپنے محل میں بھاگ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے فرعون! اگر تو گھر سے نہ نکلے گا۔ تو میں اپنے عصا کو وہیں تیرے پاس پہنچ جانے کا حکم دوں گا۔ یہ سن کر فرعون بولا۔ اے موسیٰ! مجھے تھوڑی سی مہلت ملنی چاہیئے۔ اور اس قدر جلد ہلاک کرنا نامناسب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اے کلیم! اسے مہلت دیدو۔ کیونکہ میں حلیم ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے چالیس روز تک کی مہلت دے دی۔ مگر ظالم نے اپنا انکار و کفر پھر بھی نہ چھوڑا۔ پس خدا تعالیٰ نے اُسے دنیا و آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا۔ اور یہاں دنیا میں اُسے عذابِ غرق میں مبتلا کیا۔ اور آخرت میں دوزخ کے المناک عذاب میں ڈال دیا۔

(نزہتہ المجالس فصلٌ فی الذکر صت۳۳)

سبق: خدا تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ کوئی شخص عمر بھر گناہ کرتا رہے۔ مگر پل بھر کے لیے بھی سچے دل سے توبہ کرلے تو خدا تعالیٰ اس کے سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ تکبر و غرور اور انانیت بہت بری چیز ہے۔ اس سے آدمی تباہ و ہلاک ہو جاتا ہے۔ تکبر صرف خدا ہی کو زیبا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے پیغمبروں کو بڑے بڑے معجزات عطا ہوئے ہیں۔ اور جو اللہ کے پیغمبروں (علیہم السلام) کی اطاعت نہیں کرتے۔ وہ دنیا و آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حکایت نمبر ۶۷

گائے

ایک عابد کا ایک شخص پر گزر ہوا۔ جو گائے کی پوجا کر رہا تھا۔ عابد نے اس سے فرمایا۔ اے نادان! اس گائے کی پوجا نہ کر اور یہ بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو جا اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لے۔ اس شخص نے کہا کہ میں تو یہ کلمہ ہرگز نہ پڑھوں گا۔ عابد نے اس گائے کی طرف منہ کرکے کہا۔ اے گائے! بحق لا الٰہ الا اللہ تو آگ کا شعلہ بن جا۔ چنانچہ گائے حکمِ الٰہی سے آگ کا شعلہ بن گئی۔ پھر اس عابد نے اس شخص سے کہا۔ دیکھ اب بھی کلمہ پڑھ

لے۔ ورنہ تو بھی اسی طرح آگ کا شعلہ بن جائے۔ اس شخص نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ (نزہتہ المجالس ص۱۴۱ ج۱)

سبق: اللہ کے نیک بندے بُرا کام ہوتا دیکھیں۔ تو اُس سے منع کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ گائے جسے بعض لوگ اپنا "خدا" سمجھتے ہیں۔ مسلمان کی نظر میں یہ محض ایک جانور ہی ہے۔ اور مسلمان کے تابع بلکہ مسلمان کی غذا گویا مشرک کا جو خدا ہے۔ مسلمان کی وہ غذا ہے۔

حکایت نمبر ۱۷۶
ایک راہب کا خواب

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ایک روز ایک عیسائی راہب کے گرجے کے پاس سے گزرے۔ تو آپ نے اندر سے راہب کی آواز سُنی۔ جو یوں کہہ رہا تھا۔

اے وہ مقدس ذات جس کے حرم میں ڈرنے والے اور لوگوں کے ستائے ہوئے پناہ لیتے ہیں۔ اور طالب لوگ اس کی رحمت و نعمت میں رغبت کرتے ہیں۔ میں تیرے انتقام

سے رہائی کی درخواست کرتا ہوں - اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ اُن گناہوں کی جن کی لذّت مٹ گئی اور مشقت باقی رہ گئی ۔"

مالک بن دینار یہ آواز سن کر راہب کے پاس پہنچے ۔ اور پُوچھا - کہ یہ انقلاب کیسے آگیا - تو وہ بولا - کہ میں عیسائی تھا لیکن اب نہیں رہا - بات یہ ہوئی - کہ ایک رات خواب میں دیکھا - کہ کوئی کہنے والا بڑے تسلی بخش لہجہ میں کہہ رہا ہے - کہ اے راہب! بھلا تو کب تک شرک وکفر میں مبتلا ہے گا - بلاشک عیسٰی (علیہ السلام) خدا کے بندوں میں سے ایک برگزیدہ بندے اور اس کے پیغمبر ہیں - مگر وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہرگز نہیں - میں نے پوچھا۔ آپ کون ہیں ؟ تو فرمایا -

میں گنہگاروں کا شفیع - آخر زمان کا پیغمبر ہوں اور وہ رسُول ہوں جس کی بشارت عیسٰی علیہ السلام نے بھی دی - اور جس کی پیش گوئی انجیل میں بھی موجود ہے - اور میں وہ ہوں جس کی نبوت کی گواہی موسٰی (علیہ السلام) نے بھی دی اور جس کے اوصاف توراۃ نے بھی بیان کیے ۔"

پھر اس مبارک شخص نے میرے سینے پر اپنا رحمت کا ہاتھ پھیرا - اور یہ دعا پڑھی :-

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْ عَبْدَكَ الرَّشَادَ وَوَفِّقْهُ لِلسَّدَادِ

"یعنی الٰہی! تو اپنے بندے کے دل میں ہدایت کی بات ڈال دے اور اُسے راستی اور سچائی کی توفیق عطا فرما۔"

جونہی میں نیند سے چونکا۔ تو میرے دل میں اسلام کی محبت موجود تھی اور اب میں مسلمان ہوں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ (نزہتہ المجالس ص۱۳۵ ج۲)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی زندہ اور قیامت تک کے لیے ہادی و رہبر ہیں۔ اور آپ جس پر نظرِ کرم فرما دیں۔ اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اور وہ دوزخ سے نکل کر جنت کا مالک بن جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۶۷

راہب کے سوالات

صالحوں کا ایک مردِ مجاہد راستہ بھول کر ایک اُونچے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں اُس نے دیکھا۔ کہ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا مجمع لگا ہُوا ہے۔ اور بیچ میں ایک بڑی کرسی لگی ہُوئی ہے۔ مردِ مجاہد نے ان سے اس اجتماع اور بیچ میں خالی کرسی ہونے کی وجہ پوچھی۔ تو وہ بولے کہ ہمارے پاس سال بھر میں ایک دفعہ ایک راہب یہاں آتا ہے اور کچھ وعظ و نصیحت کرتا ہے۔ اسی لیے ہم یہاں جمع ہیں۔ اور یہ کرسی اُس راہب کے

سیلیے ہے۔ وہ مردِ مجاہد بھی اس مجمع میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں ایک راہب آیا۔ اور اس کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اور چاروں طرف متجسس نظریں ڈال کر کہنے لگا۔ اے حاضرین! آج میں تم لوگوں کو وعظ نہیں سناؤنگا۔ کیونکہ اس وقت تم میں اُمّتِ محمدیہ کا کوئی شخص موجود ہے۔ یہ کہہ کر پھر اس نے چاروں طرف نظر ڈالی۔ اور باآوازِ بلند کہا۔ اے محمدی! میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتا ہوں کہ ہم سب کے سامنے آکھڑا ہو۔ تاکہ ہم تمہیں دیکھیں۔ اور تجھ سے کچھ سوال کریں۔ وہ مردِ مجاہد فوراً اُٹھا۔ اور راہب کے سامنے آکھڑا ہو گیا۔ اور راہب سے کہا۔ میں ہوں محمدی! فرمایئے۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ راہب نے کہا۔ میرے چند سوالات ہیں۔ ان کا جواب دو۔ پہلے یہ بتاؤ۔ کہ میں نے سنا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جنت میں رنگ رنگ کے پھل اور طرح طرح کے میوے پیدا کئے ہیں۔ کیا دنیا میں بھی ان جیسے پھل ہیں؟ مردِ مجاہد نے جواب دیا۔ بیشک دنیا میں بھی اُن جیسے پھل ہیں۔ مگر وہ جنت کے پھلوں کے ساتھ صرف نام اور رنگ میں مشابہت رکھتے ہیں۔ مزے اور لذت میں دنیا کے پھلوں کو جنت کے میووں سے کچھ مناسبت نہیں۔ اس کے بعد راہب بولا۔ کہ میں نے سنا ہے۔ کہ جنت میں کوئی ایسا گھر اور بالاخانہ نہیں جس میں شجرِ طوبیٰ کی ایک شاخ موجود نہ ہو۔ کیا دنیا میں اس کی کوئی نظیر ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں دیکھو جب آفتاب آسمان کے وسط میں پہنچتا ہے۔ تو جس طرح شجر

طوبیٰ کی شاخیں تمام مکانوں میں ہر جگہ پہنچی ہوئی ہیں۔ اسی طرح اس وقت آفتاب کا نور ہر جگہ پھیل جاتا ہے۔ راہب نے کہا کہ جنت میں چار نہریں ہیں۔ جن کے مزے تو مختلف ہیں۔ مگر ان کا منبع اور جڑ جہاں سے وہ نکلی ہیں۔ ایک ہی ہے۔ کیا دنیا میں اس کی بھی کوئی نظیر ہے؟ مجاہد بولا بیشک اس کی مثال بھی دنیا میں ہے۔ دیکھو کان کا پانی کڑوا ہے۔ آنکھ کا کھاری۔ ناک کا بودار اور منہ کا شیریں۔ تو یہ چاروں پانی مزے اور بو میں گو مختلف ہیں۔ مگر ان سب کی اصل ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے سر۔ اس کے بعد راہب بولا۔ کہ بس ایک بات اور پوچھنی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اہلِ جنت طرح طرح کے کھانے کھائیں گے اور قسم قسم کے مشروبات نوش کریں گے۔ مگر انہیں نہ تو پیشاب کی حاجت پڑے گی۔ نہ پاخانہ کی۔ کیا دنیا میں اس کی بھی کوئی نظیر ہے؟ مردِ مجاہد بولے کہ ہاں اس کی مثال بھی ہے دیکھو۔ جب تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے تو وہ جس چیز کے کھانے کی خواہش ماں کے دل میں ڈال دیتا ہے اور قدرتِ خدا سے وہی غذا بچہ کے پیٹ میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر جب تک وہ پیٹ میں رہتا ہے۔ نہ تو پاخانہ ہی کرتا ہے اور نہ ہی پیشاب!

اس کے بعد راہب خاموش ہوگیا۔ اور لوگوں سے کہنے لگا۔ لو آج میرا وعظ یہ ہے کہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

تم بھی میری طرح یہی کلمہ پڑھ لو چنانچہ وہ سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ (نزہۃ المجالس ج۱ ص۴۵-۴۶)

سبق: اللہ کے مقبولوں اور مجاہدوں کے علم و عرفان کی بدولت ہزاروں کو دولت ایمان مل جاتی ہے۔

حکایت نمبر ۶۷۹

نفس کی مخالفت

مصر میں ایک راہب رہتا تھا۔ جسے مکاشفہ حاصل تھا۔ اور اس کے مکاشفہ کا بڑا چرچا تھا۔ وہاں کے ایک مسلمان عالم نے یہ سوچا کہ اس کے اس مکاشفہ کے چرچے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ عوام مسلمان دھوکا کھا جائیں اور اس کے دام میں پھنس جائیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس راہب کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ عالم ایک خنجر لے کر اس راہب کے مکان پر پہنچے۔ اور اس کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ راہب نے اندر سے آواز دی۔ کہ اے مسلمانوں کے عالم و رہبر! خنجر کو تو وہیں ڈال دو۔ اور خود اندر آجاؤ۔ عالم نے خنجر کو تو وہیں چھوڑا اور خود اندر چلے گئے۔ اور راہب سے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ۔ کہ یہ مکاشفہ تمہیں حاصل کیسے ہوا۔

راہب نے کہا۔ نفس کی مخالفت کرنے سے۔ عالم نے فرمایا۔ اور تمہارا نفس مسلمان ہو جانے پر خوش ہے یا نہیں؟ راہب بولا نہیں۔ عالم نے کہا۔ تو نفس کی یہ مخالفت ابھی باقی ہے۔ نفس کی اس معاملہ میں بھی مخالفت کرو۔ اور کلمہ پڑھ لو۔ چنانچہ یہ بات راہب کے دل پر اثر کر گئی۔ اور وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (نزہتہ المجالس صفحہ ۱۸۶ ج ۱)

سبق: نفس کی مخالفت کرنے سے ایک کافر کو بھی یہ منصب مل جاتا ہے۔ کہ وہ چھپی ہوئی باتوں کو جان جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دل کی باتیں جان لینا اور پوشیدہ باتوں کی خبر دے دینا یہ کوئی کمال نہیں کمال یہ ہے کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کی جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جب ایک کافر کو بھی اپنے استدراج سے یہ علم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے دروازے پر کون کھڑا ہے اور اس کے پاس کیا چیز ہے۔ پھر اگر کوئی شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یوں کہنے لگے۔ کہ انہیں دیوار پیچھے کی چیز کا بھی علم نہیں ہوتا۔ تو وہ شخص کتنا بڑا رسول دشمن اور گمراہ ہے۔

حکایت نمبر ۶۸

باطنی قلعہ

جنگِ فارس میں ایک قلعہ کو مسلمانوں نے گھیر لیا۔ اور مجوسی

اس کے اندر محصور ہو گئے۔ اس قلعہ میں ایک حسین عورت تھی۔ اس عورت نے مسلمانوں کے لشکر میں ایک حسین مسلمان کو دیکھا۔ اور اس پر فریفتہ ہو گئی۔ اُس عورت نے اپنا ایک قاصد بھیجا: تاکہ وہ اُس مسلمان کو اُس عورت کے پاس لے آئے۔ قاصد نے جب اُس شخص کو اُس کا پیغام دیا۔ تو وہ بولا۔ کہ تم اُسے جا کر کہہ دو۔ کہ تو اپنا ظاہری اور باطنی قلعہ صرف خدا کے لیے ہمارے سپرد کر دے۔ عورت نے جواب دیا۔ کہ ظاہری قلعہ تو میں سمجھ گئی۔ مگر باطنی قلعہ کو میں نہیں سمجھی۔ کہ اس سے کیا مراد ہے۔ اُس نے جواب بھیجا۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تو اپنا دل بھی خاص خدا کے لیے سونپ دے۔ یہ بات سُن کر عورت نے بے ساختہ کہا کہ اچھا میں نے اپنا دل خدا کو سونپ دیا۔ اس کے بعد اس عورت نے قلعہ کھول دیا۔ اور مسلمانوں کا لشکر اندر چلا گیا۔ عورت نے اس نوجوان مسلمان سے کہا کہ تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ اُس نوجوان نے کہا کہ چلو ہمارے سردار حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس۔ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہونا۔ چنانچہ جب اُسے حضرت امیر لشکر حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس لایا گیا۔ تو وہ کہنے لگی۔ کہ میں ان سے بھی بڑے شخص کے ہاتھ پر مسلمان ہوں گی۔ آپ نے فرمایا۔ میرے والد حضرت امیرالمومنین فاروق اعظم کے ہاتھ پر؟ اُس نے کہا۔ ہاں! چنانچہ اُسے حضرت عمر کے پاس لے گئے۔ اُس نے حضرت عمر سے بھی یہی کہا کہ میں آپ سے بھی

بڑے شخص کے ہاتھ پر مسلمان ہوں گی۔! حضرت عمر نے فرمایا۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر لے چلو۔ چنانچہ اُسے روضۂ انور کے پاس لایا گیا۔ اُس عورت نے جونہی قبرِ انور کو دیکھا۔ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسی وقت جان دے دی۔ (نزہتہ المجالس ص۱۰ ج۲)

سبق: سچے مسلمان ظاہری قلعوں کے ساتھ ساتھ باطنی قلعے بھی فتح کرتے ہیں۔ اور ان کی نظروں سے اغیار کے دلوں میں بھی انقلاب آجاتا ہے۔ اور وہ اپنے ایمان۔ خلوص اور حسن کردار کے باعث دین و دنیا کے بادشاہ ہوتے ہیں۔

حکایت نمبر ۱۸۶

نماز کی برکت

ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ اور اس عورت سے اپنی خواہش ظاہر کی۔ اس عورت نے اس واقعہ کی اپنے خاوند کو اطلاع دی۔ اس کا خاوند نیک آدمی تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ کہ تم اس سے کہہ دو۔ کہ اگر تم چالیس روز تک میرے خاوند کے پیچھے نماز پڑھو گے۔ تو جو تم چاہو گے۔ میں منظور کر لوں گی چنانچہ

اُس نے اپنے خاوند کی بتائی ہوئی بات اس شخص سے کہہ دی۔ وہ شخص بڑا خوش ہُوا۔ اُس نے چالیس دن تک بلا ناغہ اُس کے خاوند کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب چالیس دن ہو گئے۔ تو عورت نے بُلا کر پوچھا۔ کہ بتاؤ تمہارا کیا مطلب ہے۔ وہ بولا۔ بس اب مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں۔ میں نے جو کچھ پالیا ہے اس کے ہوتے ہُوئے اب میری کوئی بُری خواہش باقی نہیں رہی۔ عورت نے یہ سارا قصّہ خاوند سے کہا۔ تو وہ بولا۔ نماز کے متعلق ارشادِ حق ہے۔ کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ۔ نماز بُری باتوں سے روکتی ہے۔ میں نے یہ اس کا علاج کیا ہے۔ (نزہتہ المجالس ج ۲ ص ۲۴)

سبق: نماز بڑی برکتوں کی چیز ہے۔ اور نماز سے بُری باتیں چھُوٹ جاتی ہیں۔

لطیفہ

اور اگر کوئی کہے۔ کہ ہم نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ بعض لوگ نماز پڑھنے کے باوجود بُری باتوں سے کنارہ کش نہیں ہیں۔ تو اس کا جواب سمجھنے کے لیے ایک لطیفہ سنیئے۔

ایک بھکاری نے ایک رئیس سے ایک بھینس طلب کی۔ رئیس نے کہا۔ میاں بھکاری! تم چالیس روز نماز پڑھتے رہو۔ اور جب چالیس دن پورے ہو جائیں۔ تو مجھ سے بھینس لے جانا۔ چنانچہ اس بھکاری

نے چالیس روز نماز پڑھنا جاری رکھی۔ اور اکتالیسویں روز اُس رئیس کے پاس آکر بھینس طلب کرنے لگا۔ رئیس نے جواب دیا۔ میاں اپنی راہ لو۔ کیسی بھینس؟ میں نے تو تمہیں نماز کی عادت ڈالنے کے لیے یہ بات کہی تھی۔ بھکاری نے کہا۔ اچھا اگر یہی بات ہے۔ تو جانیئے۔ میں نے بھی چالیس روز ساری نمازیں بے وضو ہی پڑھی ہیں۔ معلوم ہُوا۔ کہ اس کی نماز۔ نماز ہی نہ تھی۔ نماز وہی ہے۔ جو اپنی شرائط و ارکان کے ساتھ پڑھی جائے۔ اور خلوص، خشوع اور خضوع سے ادا کی جائے۔ ایسی نماز یقیناً بُری باتوں سے روک دیتی ہے۔ اور اگر کسی نماز سے اس کا فائدہ مرتب نہ ہو تو یہ نماز کا قصور نہیں۔ بلکہ طریق ادا کا قصور ہے۔ ایک مثال اور سنیئے حکیم صاحب نے آپ کو بتایا کہ ہر روز صبح دس بادام کھا لیا کرو۔ اس سے تمہاری کمزوری کی تمام شکایات دُور ہو جائیں گی۔ اب آپ نے ہر روز دس بادام بغیر توڑنے کے ثابت ہی نگلنے شروع کر دیئے۔ تو بجائے تقویت کے آنتیں چھلنے لگیں۔ اور لہو کے دست آنے لگے۔ تو فرمایئے۔ یہ حکیم صاحب یا باداموں کا قصور ہے۔ یا خود آپ کے طریق استعمال کا قصور ہے؟ نماز کو پورے خشوع و خضوع اور اس کے جملہ شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کیجیئے۔ پھر دیکھیئے۔ اس کے کس قدر فوائد ہیں۔

حکایت نمبر ۶۸۲

ماں

ایک شخص نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت ابواسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی داڑھی مبارک یاقوت اور جواہرات سے مرصع ہے۔ اس شخص نے صبح حضرت ابواسحٰق کے پاس پہنچ کر یہ خواب بیان کیا۔ تو حضرت ابواسحٰق فرمانے لگے۔ تو نے سچ کہا ہے۔ میں نے کل اپنی ماں کے قدم چُومے تھے۔ یہ اسی کی بدولت ہے۔ (نزہۃ المجالس ص ۳۹۶ ج ۱)

سبق: ماں کا بہت بڑا درجہ ہے۔ اس کے قدموں تلے جنت ہے۔ اور اس کے قدم چُومنے سے نورانیت و برکت حاصل ہوتی ہے۔

حکایت نمبر ۶۸۳

شاہی فرمان

خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے ماموں کے عہد میں ایک مجرم شہر سے بھاگ گیا۔ خلیفہ نے اُس کے بھائی کو پکڑ کر منگایا اور کہا۔ کہ اپنے بھائی کو حاضر کرو۔ ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ اے خلیفہ!

اگر تمہارا کوئی ماتحت حاکم کسی کو قتل کرنا چاہے۔ اور تو حکم دے کہ اسے چھوڑ دو۔ تو وہ چھوڑے گا یا نہیں؟ مامون رشید نے کہا کہ ہاں چھوڑ دے گا۔ تو میں تمہارے سامنے اس بڑے بادشاہ کا حکم پیش کرتا ہوں۔ جس کی عنایت سے تو حاکم بنا ہے۔ کہ تو مجھے رہا کر دے۔ مامون نے کہا۔ وہ حکم مجھے سناؤ۔ کہا وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

"یعنی کسی کو دوسرے کے گناہ کے بدلے نہ پکڑو۔"

مامون یہ سن کر بڑا متاثر ہوا۔ اور روتے ہوئے حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس نے محکم اور اٹل حکم پیش کر دیا ہے۔ (تعلیم الاخلاق صـ ۲۸۳)

سبق: بڑے سے بڑا حاکم بھی ہو تو اسے قرآن پاک کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے اور یہ کہ بے گناہوں کو کبھی پکڑنا اور ستانا نہیں چاہیئے۔

حکایت نمبر ۶۸۴

سب سے زیادہ احمق

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ اپنے ارکان دولت سے کہا۔ کہ ایک ایسا شخص ڈھونڈ کر لاؤ۔ جو سب سے زیادہ احمق ہو۔ یہ

سُن کر سلطانی مقرب تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ تاکہ کسی بیوقوف کو ڈھونڈ نکالیں۔ آخر انہوں نے ایک شخص کو دیکھا۔ جو ایک اُونچے درخت کی شاخ پر بیٹھ کر اس شاخ کی جڑ پہ کلہاڑا مار رہا تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ شاخ جڑ سے کٹتی اور وہ شخص نیچے گر کر مر جاتا۔ اُس شخص کو درخت پر سے اتار لیا گیا۔ اور پکڑ کر اُسے سلطان محمود کے پاس لے آئے۔ اور عرض کیا۔ حضور! یہ شخص بڑا بے وقوف اور احمق ہے۔ اسے ہم نے اس حالت میں پایا ہے۔ کہ ایک بڑے درخت کی شاخ پر بیٹھا اسی شاخ کی جڑ پہ کلہاڑا مار رہا تھا۔ سلطان نے کہا۔ واقعی یہ شخص بڑا احمق ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ اس سے بھی زیادہ احمق اور کون ہو سکتا ہے؟ عرض کیا۔ حضور خود فرمائیں۔ سلطان نے جواب دیا۔ کہ وہ حاکم سب سے زیادہ احمق ہے۔ جو ظلم و ستم سے رعیت کو تباہ کرے۔ اور خود اس کے سبب بدبختی اور پریشانی کے گڑھے میں گرے۔ (تعلیم الاخلاق ص۹۶)

سبق: رعیت کی مثال جڑ کی ہے۔ اور بادشاہ درخت کے مانند ہوتا ہے۔ اور درخت جڑ کی پائیداری سے سلامت رہتا ہے۔ اس جڑ کو جتنا مضبوط کیا جائے گا۔ درخت اتنا ہی محفوظ رہے گا۔ اور جب جڑ کمزور ہو جائے۔ تو ہوا کا ایک جھونکا بھی اُس درخت کو گرا سکتا ہے۔ پس ہر صاحبِ اقتدار کو اپنی رعایا کا خیال رکھنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۶۸۵

ملک صالح اور ایک درویش

ملک صالح بادشاہِ شام کا معمول تھا۔ کہ رات کو ایک غُلام کے ساتھ مسجدوں۔ مقبروں اور مزاروں میں جاتا اور ہر ایک کا حال معلوم کرتا۔ ایک رات موسم سرما میں گشت کرتا ہوا ایک مسجد میں پہنچا۔ دیکھا کہ ایک درویش برہنہ ہے۔ اور سردی سے کانپ رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ یا اللہ! دنیا کے بادشاہ تیری عطا کی ہوئی نعمت کو نفس کی حرص وہوا اور لذت میں برباد کر دیتے ہیں۔ محتاجوں ضعیفوں کی حالت سے بے خبر ہیں۔ اگر وہ قیامت کے دن بہشت میں گئے۔ تو تیری عزّت وجلال کی قسم! میں وہاں قدم نہ رکھوں گا۔

ملک صالح یہ بات سُن کر آگے بڑھا اور دیناروں بھری تھیلی آگے رکھ دی۔ اور روتے ہوئے کہا۔ کہ میں نے سُنا ہے۔ کہ درویش بہشت کے بادشاہ ہوں گے۔ آج ہم بادشاہ ہیں اور صلح کے لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔ کیونکہ کل تم بادشاہ ہو گے۔ از راہِ کرم اس دن ہم سے دشمنی نہ کرنا۔ بلکہ عنایت و مہربانی سے پیش آنا۔ میں ان بادشاہوں میں سے نہیں ہوں۔ جو غریبوں سے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔

(تعلیم الاخلاق ص۵۶)

سبق: بڑے بڑے لوگوں کو محتاجوں اور غریبوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور اپنی دولت سے غریب لوگوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کرنا چاہیئے۔ جو لوگ دولت کے نشہ میں غرباء اور محتاجوں کا خیال نہیں رکھتے وہ بہت بڑے غافل اور ناعاقبت اندیش ہیں۔

حکایت نمبر ۴۸۶

ایک لڑکے کی دانائی

معن بن زائدہ ایک امیر شخص اور مہمان نوازی میں بڑا مشہور تھا۔ اس کے پاس اس کی دشمن قوم کے کئی ہزار افراد اسیر کر کے لائے گئے۔ اس نے حکم دیا۔ کہ سب کو قتل کر دو۔ اس قوم میں سے ایک لڑکا کھڑا ہوا۔ اور کہا۔ اے امیر! میں پیاسا ہوں۔ مجھے قتل تو ہو ہی جانا ہے۔ مگر مجھے پہلے پانی تو پلا دو۔ معن نے حکم دیا۔ کہ اسے پانی پلا دیا جائے۔ اس نے پیالہ ہاتھ میں لیا۔ اور کہا۔ کہ اے امیر! میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اور مروت کا مقام نہیں۔ کہ میں تو پانی پی لوں۔ اور میری قوم پیاسی مرے۔ آپ کی دریا دلی سے توقع ہے۔ کہ ان کو بھی پانی پلانے کا حکم دیجئے۔ چنانچہ سب کو پانی پلا دیا گیا۔ اب لڑکا پھر بولا۔ کہ اے امیر!

اب تو ہم سب تیرے مہمان ہو گئے ہیں۔ اور مہمانوں کو مارنا کریموں کی شان نہیں۔ بلکہ ان کی عزت کرنے کا حکم ہے۔ معن لڑکے کی فصاحت دانائی پہ متعجب ہوا۔ اور سب قیدیوں کو رہا کر دیا۔ (تعلیم الاخلاق ص۵)

سبق:۔ عقل و فصاحت اور موقعہ و محل کے مطابق گفتگو کرنے سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور خدا ترس افراد ہمیشہ لطف و کرم سے کام لیتے ہیں۔

حکایت نمبر ۶۸

نوشیرواں اور ایک بوڑھی عورت

نوشیرواں نے ایک بڑا عالیشان محل تعمیر کرایا۔ اور اس کی تکمیل کے بعد اپنے وزیروں امیروں کو دکھایا۔ اور پوچھا کہ اس میں کوئی کجی تو نہیں؟ عرض کی گئی۔ کہ یہ محل ایسا عظیم الشان ہے۔ کہ چشم فلک نے بھی ایسا محل نہ دیکھا ہوگا۔ مگر اس میں ایک نقص کی بات یہ ہے کہ اس کے گوشے میں ایک جھونپڑی ہے۔ جس کے روزن سے دھواں نکل کر سارے ایوان کو سیاہ کر رہا ہے۔ اسے اٹھا دینا چاہیئے۔ تاکہ یہ محل بالکل بے داغ ہو جائے۔

نوشیرواں نے کہا۔ کہ یہ جھونپڑی ایک بوڑھی عورت کی ہے جس نے ساری عمر اسی جھونپڑی میں بسر کی ہے۔ اب وہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے۔ میں نے یہ محل شروع کرتے وقت اس بڑھیا کو کہلا بھیجا تھا کہ یہ جگہ میرے ہاتھ بیچ دے۔ اور منہ مانگی قیمت لے لے۔ یا اس کے عوض جیسا اچھا چاہے کوئی مکان لے لے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ اے بادشاہ! یہ جگہ میری ملکیت ہے۔ اسی میں میں پیدا ہوئی۔ اور اس سے میں مانوس ہو گئی ہوں۔ میں تو یہ دیکھ کر کہ تیرے پاس اتنا بڑا ملک ہے بُرا نہیں مناتی۔ اور تو اس غریب کی کٹیا دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ میں اس بات سے متاثر ہو کر خاموش ہو گیا حتیٰ کہ محل بن کر تیار ہو گیا۔ اب جو اس کٹیا سے دھواں نکل کر محل کو خراب کرنے لگا۔ تو میں نے پیغام بھیجا کہ دھواں کیوں نکالتی ہو۔ تو بولی۔ کہ اپنے لیے کھانا پکاتی ہوں۔ میں نے اس کے لیے بھُنے ہوئے مُرغ وغیرہ سمیت خوان ارسال کیا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ اے ماں! میں ہر روز تمہیں ہر قسم کے خوان بھیجتا رہوں گا۔ تو اپنی جھونپڑی میں آگ لگانا چھوڑ دے۔ بڑھیا نے جواب دیا۔ کہ ملک بھر میں کتنے ہی آدمی فاقہ زدہ دل جلے رو رہے ہیں۔ اور میں بھُنے ہوئے مرغ کھاؤں۔ یہ جائز نہیں۔ میں اپنے خدا سے ڈرتی ہوں۔ کہ ستر سال تو جَو کی روٹی کھائی۔ اور اب بھُنے ہوئے مرغ کھانے لگوں۔ میری کٹیا کو برقرار رہنے دے کہ یہ تیرے عدل کے محل کی زینت

سب ہے۔ امراء حبیب دیکھیں گے کہ تو نے ایک غریب کی جھونپڑی پہ بھی ہاتھ ڈالنا پسند نہیں کیا۔ تو وہ رعایا کے املاک پہ دست درازی سے باز رہیں گے۔ ایک اور بات بھی ہے کہ تیرا محل اس ناپائیدار دنیا سے کچھ مدت کے بعد ویران ہو جائے گا۔ مگر میری جھونپڑی کی حکایت تیرے عدل کی شاہد رہے گی۔ لہذا میں نے اس بات کو پسند کیا۔ اور بڑھیا کی ہمسائیگی کو منظور کر لیا۔ اس بڑھیا کی ایک گائے بھی تھی۔ وہ اُسے محل کے فرش پر سے گزار کر ہر صبح باہر جنگل میں چرانے لے جاتی تھی۔ اور شام کو واپس آتی تھی۔ اس آمد و رفت سے فرش خراب ہو جاتا تھا۔ ایک دن ایک ندیم نے اس سے کہا۔ کہ اے بڑھیا! تو اس حرکت سے باز آ۔ کہ شاہی محل کی خوبصورتی میں دھبا لگتا ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ بادشاہی ناموس پر ظلم سے دھبا لگتا ہے یا عدل سے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں بادشاہ کی نیک نامی کے لیے کر رہی ہوں۔ (تعلیم الاخلاق صہ۱۲)

سبق :- ایک غریب کو بھی دنیا میں رہنے کا ویسا ہی حق ہے جیسا کہ کسی امیر کو۔ اور معلوم ہوا۔ کہ عادل بادشاہ اپنی غریب رعایا کا ہر طرح خیال رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اپنے پڑوسیوں سے چاہے وہ غریب ہوں نیک دل افراد نیک سلوک کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ عدل و انصاف سے رہتی دنیا تک نام روشن

رہتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا بڑھیا سے عدل و انصاف کرنے کے باعث نوشیرواں کا عدل وانصاف آج تک سنہری حرفوں سے لکھا ہوا موجود ہے۔ اور زبانوں پہ جاری ہے۔

حکایت نمبر ۶۸۸

ایک عابد

اگلی امتوں میں ایک بندۂ حق بیچ سمندر میں ایک پہاڑ پر جہاں انسان کا گزر نہ تھا۔ رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ ربّ عزّ و جل نے اس پہاڑ پر ان کے لیے ایک انار کا درخت اگایا۔ اور ایک شیریں چشمہ نکالا۔ انار کھاتے اور پانی پیتے۔ اور عبادت کرتے۔ چار سو برس اسی طرح گزارے۔ ظاہر ہے۔ کہ جب انسان بالکل تن تنہا زندگی بسر کرے۔ اور کوئی دوسرا نہ ہو۔ تو نہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ نہ کسی کی غیبت کر سکتا ہے۔ نہ چوری نہ کوئی اور قصور کر سکتا ہے جس کا تعلق دوسرے سے ہو۔ اور اکثر گناہ وہی ہیں۔ بغرض جب ان کے نزع کا وقت آیا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے کہا اتنی اجازت دیجئے۔ کہ میں وضو تازہ کر کے دو رکعت نماز پڑھ لوں جب

دوسری رکعت کے دوسرے سجدے میں جاؤں۔ روح قبض کر لینا۔ انہوں نے فرمایا ۔ میں تمہارے لیے اتنی اجازت لایا ہوں۔ انہوں نے وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی ۔ دوسری رکعت کے دوسرے سجدے میں انتقال ہوا۔ بدن ان کا سلامت ہے۔ اب تک ویسے ہی سجدے میں ہیں۔ جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ۔ ہم جب آسمان سے اترتے یا آسمان کو جاتے ہیں ۔ انہیں اسی طرح سربسجود دیکھتے ہیں۔ یہ بندۂ خدا قیامت کے روز جب حاضر ہوں گے ۔ عبادت کے سوا نامۂ اعمال میں گناہ تو کوئی ہوگا ہی نہیں ۔ حساب و میزان کی کیا حاجت۔ ربّ العزت ارشاد فرمائے گا ۔ اذھبوا بعبدی الی جنتی برحمتی۔ یعنی میرے بندے کو جنّت میں میری رحمت سے لے جاؤ۔" ان کے منہ سے نکلے گا۔ اے رب میرے ! بلکہ میرے عمل سے یعنی میں نے عمل ہی ایسے کیے ہیں۔ جن سے مستحق جنّت ہوں۔ ارشاد ہوگا۔ لوٹاؤ اور میزان کھڑی کرو۔ اس کی چار سو برس کی عبادت ایک پلے میں اور ہماری نعمتوں سے جو ہم نے اسے چار سو برس میں دیں ۔ صرف آنکھ کی نعمت کو دوسرے میں رکھو ۔ وزن کیا جائے گا ۔ ان کے چار سو برس کے اعمال سے ایک یہ نعمت کہیں زیادہ ہوگی ۔ ارشاد ہوگا اذھبوا بعبدی الی ناری بعدلی۔ "میرے بندے کو میرے جہنم میں میرے

عدل سے لے جاؤ۔" اس پر گھبرا کر عرض کریں گے۔ "نہیں اے رب میرے! بلکہ تیری رحمت سے۔" ارشاد ہوگا۔ اذھبوا العبدی الیٰ جنتی برحمتی۔ "میرے بندے کو میری جنّت میں میری رحمت سے لے جاؤ۔" (ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ ص ۶۴)

سبق: اپنے اعمال پر کبھی گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے۔ اور ہر حال میں اللہ کی رحمت پر نظر کرنی چاہیئے۔

حکایت نمبر ۶۸۹

علم کی برکت

ایک حدیث میں ہے۔ بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ابلیس کا تخت بچھتا ہے۔ شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ اس نے اتنی شرابیں پلائیں۔ کوئی کہتا ہے۔ اس نے اتنے زنا کرائے۔ سب کی سنیں۔ کسی نے کہا۔ آج اس نے فلاں طالب علم کو پڑھنے سے باز رکھا۔ سنتے ہی تخت پر سے اُچھل پڑا۔ اور اس کو گلے سے لگایا۔ اور کہا۔ اَنتَ۔ اَنتَ۔ تو نے کام کیا۔ تو نے کام کیا۔ اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے۔ کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے

کام کیے۔ ان کو کچھ نہ کہا۔ اور اس کو اتنی شاباش دی۔ ابلیس بولا۔ تمہیں نہیں معلوم۔ جو کچھ تم نے کیا۔ سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے۔ بتاؤ وہ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے۔ مگر وہ عالم نہیں۔ اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو۔ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔ صبح کو قبل طلوعِ آفتاب شیاطین کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچا۔ اور شیاطین مخفی رہے۔ اور یہ انسان کی شکل بن کر راستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے۔ راستے میں ابلیس کھڑا ہی تھا۔ سلام علیکم و علیکم السلام۔ حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے عابد صاحب نے فرمایا! جلد پوچھو۔ مجھے نماز کو جانا ہے۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر پوچھا۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان سماوات و ارض کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے۔ عابد صاحب نے سوچا اور کہا۔ کہاں زمین و آسمان اور کہاں چھوٹی سی شیشی۔ بولا۔ بس یہی پوچھنا تھا۔ تشریف لے جائیے۔ اور شیاطین سے کہا۔ دیکھو میں نے اس کی راہ ماردی۔ اس کو اللہ کی قدرت ہی پر ایمان نہیں۔ عبادت کس کام کی۔

طلوعِ آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے۔ اس نے کہا۔ السلام علیکم و علیکم السلام مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے

انہوں نے فرمایا۔ پوچھو نماز کا وقت کم ہے۔ اس نے وہی سوال کیا۔ فرمایا ملعون! تو ابلیس معلوم ہوتا ہے۔ ارے وہ قادر ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے۔ ایک سوئی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان اور زمین داخل کر دے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد شیاطین سے بولا۔ دیکھا یہ علم ہی کی برکت ہے۔ (ملفوظات صہ ۲۲)

سبق: علم دین حاصل کرنا چاہیئے۔ بغیر علم دین کے شیطان سے بچنا بڑا مشکل ہے۔

حکایت نمبر ۶۹

دل کی بات

ایک صاحب اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے تھے۔ آپ کی خدمت میں بادشاہِ وقت قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ حضور کے پاس کچھ سیب نذر میں آئے تھے۔ حضور نے ایک سیب دیا۔ اور کہا کھاؤ۔ عرض کیا۔ حضور بھی نوش فرمائیں۔ آپ نے بھی کھائے۔ اور بادشاہ نے بھی۔ اس وقت بادشاہ کے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ جو سب

ہیں بڑا اچھا خوش رنگ سیب ہے۔ اگر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر مجھ کو دے دیں گے۔ تو جان لوں گا۔ کہ یہ ولی ہیں۔ آپ نے وہی سیب اٹھا کر فرمایا۔ ہم مصر میں گئے تھے۔ وہاں ایک جگہ جلسہ بڑا بھاری تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص ہے۔ اس کے پاس ایک گدھا ہے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے۔ ایک چیز ایک شخص کی دوسرے کے پاس رکھ دی جاتی ہے۔ اس گدھے سے پوچھا جاتا ہے۔ گدھا ساری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی ہے۔ سامنے جا کر سر ٹیک دیتا ہے۔ یہ حکایت ہم نے اس لیے بیان کی۔ کہ اگر یہ سیب ہم نہ دیں تو ولی ہی نہیں۔ اور اگر دے دیں تو اس گدھے سے بڑھ کر کیا کمال کیا۔ یہ فرما کر سیب بادشاہ کی طرف پھینک دیا۔

(ملفوظات حصہ ۱)

سبق: دل کی بات بتا دینا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ شریعت کا اتباع کیا جائے۔

حکایت نمبر ۱۹۶

خوشۂ جنّت

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھتے ہوئے اپنا

ہاتھ مبارک آگے بڑھایا۔ جیسے کہ آپ کچھ پکڑنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ مبارک روک لیا۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہم نے آپ کو اپنا ہاتھ مبارک آگے بڑھاتے ہوئے اور پھر روکتے ہوئے دیکھا۔ یہ کیا بات تھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا لَوْ اَخَذْتُہٗ لَاَکَلْتُمْ مِنْہُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا۔

"میں نے جنّت کو دیکھا اور جنّت کے ایک خوشہ کو پکڑا اگر اس خوشہ کو میں توڑ لاتا۔ تو تم رہتی دنیا تک اس خوشہ سے کھاتے رہتے۔" (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۹۸)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختار و متصرف فی الاکوان ہیں۔ جنّت ساتوں آسمانوں کے اوپر واقع ہے۔ مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھیں مدینہ منورہ کی زمین سے ساتوں آسمانوں کی بھی اوپر کی چیز کو دیکھ لیتی ہیں۔ پھر جو شخص بغیر عینک کے سات انچ دور کی بھی چیز نہ دیکھ سکے۔ وہ حضورؐ کی مثل بنے تو کس قدر جہالت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رہ کر ساتوں آسمانوں سے بھی پرے کی چیز کو پکڑ سکتے ہیں۔ حالانکہ ہم ایک جگہ پر رہ کر دُور کی چیز نہیں پکڑ سکتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم جنّت کے مالک ہیں۔ اسی لیے تو آپ نے جنّت میں ہاتھ بڑھا کر جنّت کے خوشہ کو پکڑ لیا۔ ورنہ پرائے گھر میں کوئی ہاتھ ڈال کر تو دکھائے۔ اور کسی دُوسرے کی چیز کوئی اٹھا کر تو دکھائے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختار بھی ہیں۔ اسی لیے تو فرمایا۔ کہ اگر میں چاہتا تو خوشہ کو توڑ لاتا۔

حکایت نمبر ۶۹۲

جنّت کی رفاقت

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کے وقت رہا کرتے تھے۔ اور حضور کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ایک رات حضرت ربیعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضوء کے لیے پانی حاضر کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے کرم جوش میں آگیا۔ اور حضرت ربیعہ سے آپ نے فرمایا۔ سَلْ۔ مانگ حضرت ربیعہ نے جو دیکھا۔ کہ آقا کا دریائے کرم جوش میں ہے۔ تو عرض کیا۔

اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔

"میں جنّت میں آپ کی رفاقت آپ سے مانگتا ہوں"۔

یعنی یارسول اللہ! جنّت دیجئے اور نہ صرف جنّت بلکہ جنّت میں جہاں آپ ہوں۔ وہاں اپنے ساتھ رکھئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ ـــــ کچھ اور بھی؟

عرض کیا۔ نہیں یارسول اللہ! بس یہی حاجت ہے۔ پوری کر دیجئے۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا تو کثرتِ سجود سے میری اعانت کرتے رہو۔ یعنی نماز پڑھتے رہنا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۸۴)

سبق:- ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم داتا ہیں۔ جبھی تو فرمایا "مانگ" ورنہ جو دے نہ سکے۔ وہ ایسا کب کہتا ہے؟ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ عطا فرما سکتے ہیں۔ حتّٰی کہ جنّت بھی دے سکتے ہیں۔ اور نہ صرف جنّت بلکہ جنّت کا اعلیٰ مقام بھی دے سکتے ہیں۔ جبھی تو حضور سے یوں عرض کیا۔ کہ میں جنّت اور جنّت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں گویا صحابہ کرام کا ایمان تھا۔ کہ حضور جنّت کے مالک و مختار ہیں۔ جسے چاہیں دے دیں۔ پھر اگر یوں کہا جائے۔ کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ تو یہ کس قدر گمراہی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنّت لینے کی خواہش ہو۔ تو نماز کبھی نہ چھوڑنی چاہیئے۔

ـــــــــــــ

حکایت نمبر ۶۹۳

غزوۂ تبوک میں

غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے راشن ختم ہو گیا۔ تو بھوک کی شدت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طالب دعا ہوئے تو حضور نے فرمایا۔ کہ جو کچھ بھی کسی کے پاس بچا کھچا ہو۔ میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام تھوڑی تھوڑی چیزیں جو بچی کھچی تھیں۔ لے آئے۔ حضور نے ان تھوڑی تھوڑی چیزوں پر دعائے برکت فرمائی۔ اور پھر فرمایا جاؤ اپنے اپنے برتن لے آؤ۔ اور اس میں سے بھر بھر کر لیتے جاؤ۔ چنانچہ

فَاَخَذُوْا فِیْ اَوْعِیَتِہِمْ حَتّٰی مَا تَرَکُوْا فِی الْعَسْکَرِ وِعَاءً اِلَّا مَلَاُوْہُ۔

سب صحابہ نے اپنے اپنے برتن بھر لیے اور لشکر میں جو بھی برتن تھا۔ کوئی خالی نہ رہا۔ سب بھر لیے گئے۔

اور پھر سارے صحابہ نے سیر شکم ہو کر کھانا کھایا۔ اور کھانا پھر بھی بچ گیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۳۸)

سبق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رحمت و برکت ہے۔ کہ آپ تھوڑے کو زیادہ کر دیتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کرام

مشکل کے وقت بارگاہِ رسالت ہی میں فریاد کیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ تھوڑی تھوڑی چیزیں سامنے رکھ کر ان پر دُعا خیر کرنی جیسے کہ ختم و فاتحہ میں ہوتا ہے۔ جائز ہے۔ بدعت ہرگز نہیں۔

حکایت ۶۹

دُودھ کا پیالہ

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بڑے زور کی بھوک لگی۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دودھ کا پیالہ لیا۔ اور حضرت ابوہریرہ سے فرمایا۔ جاؤ اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ۔ اصحابِ صفہ کی تعداد ستر تھی۔ ابوہریرہ نے جی میں سوچا۔ کہ وہ لوگ آ گئے۔ تو ایک پیالہ میں سے میرے لیے کیا بچے گا! مگر حکمِ نبوی تھا۔ اس لیے وہ گئے اور اصحابِ صفہ کو بُلا لائے۔ حضور نے فرمایا۔ لو یہ دودھ کا پیالہ، اور ان سب کو پلاؤ چنانچہ حضرت ابوہریرہ نے باری باری سب کو پلانا شروع کیا۔ ایک کو پلا لیتے تو پھر وہی پیالہ دوسرے کے آگے رکھ دیتے تھے۔ وہ پی لیتا تو آگے کر دیتے۔ اسی طرح اس ایک پیالہ سے سب نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ مگر

دُودھ ویسے کا ویسا ہی رہا۔ ذرہ بھی کم نہ ہوا۔ پھر وہ پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور ابوہریرہ سے فرمایا لو اب تم پیو۔ ابوہریرہ نے پینا شروع کیا۔ حتیٰ کہ جب آپ نے پیالہ منہ سے ہٹایا۔ تو حضور نے وہ پیالہ ابوہریرہ کے منہ سے پھر لگایا۔ اور فرمایا۔ اور پیو۔ حضرت ابوہریرہ نے اور پیا۔ اور پھر جو پیالہ منہ سے ہٹایا۔ تو حضور نے پھر فرمایا نہیں اور پیو۔ کئی بار ایسا ہوا۔ آخر حضرت ابوہریرہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ اب کوئی راستہ نہیں رہا۔ (بخاری شریف ص۹۵۰)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم متصرف و مختار ہیں۔ چاہیں تو ایک پیالہ سے ستر آدمیوں کو کھلا پلا دیں۔ پھر اگر یوں کہا جائے کہ "نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا" تو یہ بات کس قدر گمراہی و جہالت کی بات ہے۔

حکایت نمبر ۶۹۵
گھی کا مشکیزہ

ایک صحابیہ ام مالک رضی اللہ عنہا ایک مشکیزہ میں گھی ڈال کر حضور کی خدمت میں پیش کیا کرتی تھیں۔ ایک روز حضور نے خوش

ہو کر جو نگاہِ کرم فرمائی۔ تو وہ مشکیزہ گھی کا چشمہ بن گیا۔ امّ مالک کو جب بھی گھی کی ضرورت ہوتی۔ اسی مشکیزہ سے نکال لیتیں۔ ایک روز امّ مالک نے اس مشکیزہ کو نچوڑ لیا۔ تو ایسا کرنے سے وہ مشکیزہ خشک ہوگیا۔ امّ مالک نے حضور سے یہ واقعہ عرض کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَوْ تَرَكْتِهَا مَا زَالَ قَائِمًا۔

"اگر تو نہ نچوڑتی۔ تو گھی ہمیشہ رہتا" (مسلم شریف ص۲۴۵)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمِ رحمت جس پر پڑ جائے۔ وہ چیز چشمۂ رحمت بن جاتی ہے۔ اور ایک نظر ایسی بھی ہوتی ہے۔ کہ صاف ستھرے دودھ پر پڑ جائے۔ تو دودھ پھٹ جائے۔ پھر اگر ایسا شخص ان سے مساوات کا دم بھرے۔ تو ہر اہلِ نظر کے نزدیک وہ بڑا ہی جاہل اور اندھا ہے۔

حکایت نمبر ۶۹۶

کھجوریں

ایک روز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تقریباً بیس اکیس کھجوریں

لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ان کھجوروں میں دعائے برکت فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکٹھا کیا اور دعا فرما کر فرمایا۔ انہیں اپنے توشہ دان میں ڈال لے۔ اور جب بھی کبھی ضرورت پڑے۔ ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرنا۔ اور اسے جھاڑنا مت۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کمر کے ساتھ باندھ لیا۔ اور چوبیس سال سے زیادہ اس توشہ دان سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتے رہے۔ منوں خدا کے راستے میں تقسیم بھی کیں۔ اور لوگوں کو بھی کھلائیں۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے روز وہ توشہ دان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کمر سے ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ (ترمذی شریف ص۲۲۱ ج۲)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار اور کائنات کے حاکم ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عطا سے آپ جو چاہیں وہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح چند ایک کھجوریں آپ کی برکت سے کئی من ہو گئیں اور ۲۴ سال تک کھائی جاتی رہیں۔ اسی طرح ہم گناہگاروں کی تھوڑی نیکیاں بھی سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے بے شمار ہو جائیں گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ سرکار کے متعلق عقیدہ بھی وہی ہو جو صحابہ کرام کا تھا۔

حکایت نمبر ۶۹

نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔ کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

ما تطلع الشمس حتی تسلم علیّ وتجئی السنة الیّ وتسلم علیّ وتخبرنی بما یجری فیھا۔ ویجئی الشھر ویسلم علیّ ویخبرنی بما یجری فیه۔ ویجئی الاسبوع ویسلم علیّ و یخبرنی بما یجری فیه۔ ویجئی الیوم ویسلم علی ویخبرنی بما فیه۔ وعزۃ ربی ان السعداء والاشقیاء لیعرضون علیّ عینی فی اللوح المحفوظ۔ انا غائص فی بحار علم اللہ ومشاھدۃ۔ انا حجة اللہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووارثه فی الارض۔

(بہجۃ الاسرار شریف صہ ۲۲)

ترجمہ:۔ سورج ہر روز طلوع ہوتے وقت مجھ پر سلام عرض کرتا ہے۔ اور ہر نیا سال جب آتا ہے تو مجھ پر سلام عرض کر کے جو کچھ سال بھر میں ہونے والا ہوتا ہے۔

اس کی خبر مجھے دے دیتا ہے۔ اور ہر مہینہ جب شروع ہوتا ہے۔ تو پہلے مجھے سلام عرض کرتا ہے۔ اور جو کچھ مہینہ بھر میں ہونا ہوتا ہے۔ اس کی خبر مجھے دیتا ہے۔ اور ہر ہفتہ جب شروع ہوتا ہے۔ تو پہلے مجھے سلام عرض کرتا ہے اور جو کچھ ہفتہ بھر میں ہونا ہوتا ہے۔ اس کی خبر مجھے دیتا ہے اسی طرح ہر دن بھی مجھے سلام عرض کر کے دن بھر میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے۔ مجھے میرے رب کی عزت کی قسم! نیک و بد سب مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور میری آنکھ لوح محفوظ میں لگی رہتی ہے۔ میں اللہ کے علم و مشاہدہ کے سمندروں میں غوطہ زن ہوں۔ اور میں تم سب کے لیے اللہ کی حجت ہوں۔ اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوں۔ اور زمین میں ان کا وارث ہوں۔"

سبق: ۱۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی شان عطا فرمائی ہے اور آپ کو علم بھی اتنا وسیع عطا فرمایا ہے۔ کہ سال بھر کے ہر مہینے ہر ہفتے اور ہر روز میں جو جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے۔ وہ سب واقعات حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے علم میں داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ اتنا بڑا وسیع علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نائب کا ہے۔ تو خود حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ جن کے صدقہ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو اتنا بڑا علم عطا ہوا۔ پھر اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق یوں کہنے لگے۔ کہ انہیں تو دیوار پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ تو وہ کس قدر جاہل ہے۔

حکایت نمبر ۶۹۸

چڑیا کی موت

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے مدرسہ میں وضو فرما رہے تھے۔ کہ ایک چڑیا نے بیٹ کر دی۔ تو وہ آپ کے کپڑے پر پڑی۔ حضرت نے جلال میں آ کر اوپر اس چڑیا کی طرف دیکھا۔ آپ کی اس جلال بھری نظر سے چڑیا مر گئی اور نیچے گر گئی۔ اس کے بعد حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کپڑے کو اتار کر بیٹ والی جگہ کو دھویا۔ اور وہ قیمتی کپڑا اپنے ایک خادم کو دے کر فرمایا۔ اسے جا کر بیچ دو۔ اور قیمت راہِ خدا میں صدقہ کر دو۔ تاکہ اس چڑیا کی موت کا بدلہ ہو جائے۔ (بہجۃ الاسرار صفحہ ۱۰۳)

سبق: اللہ کے بندوں کی جلال بھری نظروں میں خدائی قہر

پنہاں ہوتا ہے۔ اور اُن کی جمال بھری نظروں میں اللہ کا فضل و کرم موجود ہوتا ہے۔ پس ہمیں ان اللہ والوں کا کبھی دل نہ دکھانا چاہیئے۔ تاکہ ان کے جلال و عتاب کے ہم مورد نہ بن جائیں۔

حکایت نمبر ۷۹۹

ایک سوداگر کا قصہ

ایک سوداگر جس کا نام ابو المظفر تھا۔ حضرت شیخ حماد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا۔ قافلہ تیار ہے۔ میں ملک شام کو جارہا ہوں۔ سر دست سو اشرفیاں اپنے ساتھ لے جارہا ہوں۔ اور اتنی قیمت کا سامان میرے پاس ہے۔ دُعا کیجئے۔ کہ کامیاب لوٹوں۔ حضرت شیخ حماد نے فرمایا۔ تو اپنا یہ سفر ملتوی کردو۔ ورنہ زبردست نقصان اُٹھاؤ گے۔ ڈاکو تمہارا سب مال لوٹ لیں گے۔ اور تم کو قتل بھی کر دیں گے۔ سوداگر یہ خبر سُن کر بڑا پریشان ہوا۔ اور اسی پریشانی میں واپس آرہا تھا۔ کہ راستہ میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ مل گئے۔ پوچھا کیوں پریشان ہو؟ سوداگر نے سارا قصہ سنادیا۔ آپ نے فرمایا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم شوق سے ملک شام کو جاؤ۔ انشاء اللہ تمہیں کوئی

نقصان نہ ہوگا۔ اور تم بخیریت اور کامیاب لوٹو گے۔ چنانچہ سوداگر ملک شام کو روانہ ہوگیا۔

شام میں اُسے بہت سا نفع ہوا۔ اور وہ ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی لیے ملک حلب میں پہنچا۔ اور اتفاقاً وہ تھیلی کہیں رکھ کر بھول گیا۔ اسی فکر میں نیند نے غلبہ کیا۔ اور سوگیا تو خواب میں دیکھا۔ کہ کچھ ڈاکوؤں نے اس کے قافلہ پر حملہ کر کے سارا سامان لوٹ لیا ہے۔ اور اسے بھی قتل کر ڈالا ہے۔ یہ دہشت ناک خواب دیکھ کر سوداگر خواب سے چونکا۔ تو دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ مگر اُٹھا تو یاد آیا۔ کہ اشرفیوں کی تھیلی میں نے فلاں جگہ رکھی تھی۔ چنانچہ جھٹ وہاں گیا۔ تو تھیلی مل گئی۔ اور خوشی خوشی بغداد واپس آیا۔ اور اب سوچنے لگا۔ کہ میں پہلے غوث اعظم کو ملوں یا شیخ حماد کو؟ (رضی اللہ عنہما) اتفاقاً بازار میں حضرت شیخ حماد مل گئے۔ اور دیکھ کر فرمانے لگے۔ پہلے جا کر غوث اعظم سے ملو۔ کہ وہ محبوب ربانی ہیں۔ انہوں نے تمہارے لیے ستر بار بارگاہِ الٰہی میں دُعا مانگی۔ تب کہیں جا کر تمہاری تقدیر معلق بدلی ہے جس کی میں نے تجھے خبر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ ہونے والے واقعہ کو غوث اعظم کی دُعا سے بیداری سے خواب میں منتقل کر دیا۔ یہ سنتے ہی سوداگر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ جن کے روحانی تصرف سے وہ قتل و غارت سے بچ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی حضور غوث اعظم نے فرمایا۔

واقعی میں نے تمہارے لیے ستر بار دعا مانگی تھی۔ (حجۃ اسرار ص۲۹)

سبق: ؎ بزرگوں کی دعاؤں سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

حکایت نمبر ۱۰۰

جن

ایک مرتبہ آپ جامع منصور میں نماز پڑھ رہے تھے کہ دوران نماز میں بوریئے پر آپ کو کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اور ایسا معلوم ہوا۔ کہ کوئی اندر آیا اور بوریئے پر قدم رکھا ہے۔ مگر نظر کچھ نہیں آتا۔ آپ بدستور نماز پڑھتے رہے۔ جب رکوع میں گئے تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ سجدہ گاہ میں ایک زہریلا اور خوفناک سانپ منہ کھولے بیٹھا ہے حکم شریعت کے مطابق سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اُسے ہٹا دیا۔ سجدہ کرنے کے بعد جب قعدہ میں آئے تو سانپ آپ کی رانوں پر سے ہو کر گردن پر سوار ہو گیا۔ اب بھی آپ نے پروا نہ کی۔ اور نماز میں مشغول رہے۔ لیکن سلام پھیرتے ہی دیکھا۔ تو سانپ غائب۔ آپ کو خیال بھی نہ ہوا۔ کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔

دوسرے روز آپ اسی مسجد میں گئے۔ تو دیکھا ایک شخص آنکھیں

پھاڑے ہوئے نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آپ سمجھ گئے
کہ اس ویرانے میں اور اس ہیئت کذائی کے ساتھ سوائے جن کے
اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے یہ خیال کیا ہی تھا۔ کہ اس نے آپ
کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ کل نماز میں جو سانپ آپ نے دیکھا تھا۔ وہ
میں ہی ہوں۔ میں اسی طرح سانپ بن کر کئی بزرگوں اور ولیوں کو
ڈرا کر ان کا امتحان کر چکا ہوں۔ مگر میں نے آپ جیسا ثابت قدم
مستقل مزاج اور بے باک ولی کسی کو نہیں دیکھا۔ واقعی آپ کا ظاہر و
باطن یکساں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسی وقت آپ کے ہاتھ پہ توبہ کی
اور عہد کیا۔ کہ اب میں خدا کی عبادت میں مشغول رہوں گا۔ نہ کسی کو
ڈراؤں اور نہ ستاؤں گا۔ (بہجۃ الاسرار صفحہ ۸۲)

سبق : غوث اعظم رضی اللہ عنہ غوث الانس والجن ہیں
اور انسانوں کے علاوہ جن بھی آپ کے فیوض و برکات سے مستفید
ہوئے۔

حکایت نمبر ۱۰

خوفناک سانپ

ایک روز آپ کی مجلس میں علماء و فقراء اور عقیدتمندوں کا ہجوم

تھا۔ اور مسئلہ قضا و قدر پہ تقریر فرما رہے تھے۔ اور لوگوں پر کیفیت و استغراق کا عالم طاری تھا۔ اچانک چھت میں سے ایک نہایت خوفناک اور زہریلا سانپ گرا۔ اس کے گرتے ہی بھاگڑ پڑ گئی۔ اور سب پر اس کی ہیبت چھا گئی۔ لیکن آپ نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ کھڑے ہوئے وعظ فرماتے رہے۔ وہ سانپ رینگتا ہوا آپ کے کپڑوں میں گھسا۔ اور تمام جسم پہ پھر کر گردن پر سے ہوتا ہوا اتر کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ جو لوگ وہاں موجود رہ گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ آپ سے کچھ باتیں کر رہا ہے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔ لوگوں کو بڑی حیرانی ہوئی۔ آخر آپ ہی نے اس حیرانی کو دور کیا۔ فرمایا۔ اس سانپ نے کہا۔ کہ میں اب تک بہت سے اولیاء اللہ کو آزما چکا ہوں۔ مگر میں نے آپ جیسا استقلال کسی میں نہیں پایا۔ اس کے جواب میں میں نے اس سے کہا۔ کہ میں چونکہ اس وقت مسئلہ قضا و قدر بیان کر رہا تھا۔ تو موقعہ دیکھ کر گرا۔ میں تجھ سے ڈرتا کیوں؟ تو بھی تو زمین کا ایک کیڑا ہی ہے۔ قضا و قدر نے مجھے متحرک کر رکھا ہے۔ تیرے گرنے سے میرے قول و فعل میں تطابق و توازن پیدا ہو گیا۔ گویا قدرت نے دکھا دیا۔ کہ میرا ظاہر و باطن ایک ہے۔ (بہجۃ الاسرار ص۸۴)

سبق: اللہ کے مقبول بندوں کے دل توکل و سکون اور اطمینان

کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ اور کوئی بھی دنیوی حادثہ ان کے اطمینانِ قلب کی دولت چھین نہیں سکتا۔ یہی وہ متاعِ بے بہا ہے جس کے لیے اقبال نے لکھا ہے کہ ؎

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

حکایت نمبر ۲۰۰

امیر و حاکم

حضرت ابو اسحٰق ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک درویش نے درخواست کی۔ کہ میں سفرِ حج میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں آپ نے منظور فرما لیا۔ اور فرمایا۔ کہ ہم دونوں میں سے ایک امیر و حاکم ہونا چاہیئے۔ تاکہ سارے کام اچھی طرح پورے ہوں۔ درویش نے کہا۔ پھر آپ ہی امیر و حاکم بن جایئے۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ اب تم میرے مطیع ہو۔ میں تمہیں جو حکم کروں۔ تمہیں ماننا پڑے گا۔

جب ایک منزل پر پہنچے۔ تو آپ نے درویش کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور خود پانی لینے چلے گئے۔ پانی لاکر پھر لکڑیاں اکٹھی کرنے لگے۔ اور آگ جلائی۔ پھر راہ میں جو کام بھی ہوتا۔ خود ہی کرتے۔ اور درویش کو بیٹھے رہنے

کا حکم دیتے۔ اور وہ جب عرض کرتا۔ کہ مجھے بھی کوئی کام کرنے دیجئے۔ تو فرماتے شرط ہو چکی کہ میں امیر و حاکم ہوں۔ اور تم مطیع ہو۔ راستہ میں بارش ہونے لگی۔ تو آپ نے اپنا لبادہ اتار کر اُس پر ڈال دیا۔ اور ساری رات لبادہ کے دونوں کناروں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اُس پر سایہ کیے رہے۔ تاکہ وہ بارش سے محفوظ رہیں۔ وہ یہ دیکھ کر بڑا شرمسار ہوا۔ مگر از رُوئے شرط بول نہ سکا۔ صبح ہوئی۔ تو درویش بولا۔ کہ حضرت آج میں امیر و حاکم بنوں گا۔ فرمایا۔ بہت اچھا پھر جب ایک منزل پر پہنچے۔ تو آپ نے ساری خدمت اپنے ذمہ لی۔ درویش نے کہا۔ میرے فرمان کے خلاف کچھ نہ کیجئے۔ تو فرمایا۔ نافرمانی یہ ہے کہ امیر و حاکم کو اپنی خدمت کے لیے کہا جائے۔ مطیع کے ہوتے ہوئے امیر و حاکم کو کسی تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مکہ معظمہ تک آپ اُس درویش سے یہی سلوک فرماتے رہے۔ مکہ معظمہ آ گیا۔ تو درویش آپ کے حسنِ سلوک سے شرمندہ ہو کر الگ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! دوستوں سے اسی طرح محبت رکھنی چاہیئے۔ جیسے میں نے تم سے محبت رکھی۔

(مخزنِ اخلاق صـ۳۰۲)

سبق: خدا تعالیٰ کے نیک بندے ہر حال میں خدمتِ خلق کو اپنائے رہتے ہیں۔ اور ان کے دل میں کبھی کبر و غرور پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ امیر و حاکم در اصل اپنی رعایا کا خادم ہوتا ہے۔ اور اس کے فرائض میں

یہ بات داخل ہوتی ہے۔ کہ وہ رعایا کی تکالیف کا ازالہ کرے۔

حکایت نمبر ۱۰۳

آگ

ایک بردبار شخص نے ایک سادھو کا امتحان لینا چاہا۔ کہ دیکھیں یہ سادھو کتنے پانی میں ہے۔ اگر واقعی یہ کسی قابل ہوا۔ تو میں اس کا چیلا بن جاؤں گا۔ چنانچہ وہ اس سادھو کے پاس پہنچا۔ دیکھا۔ تو وہ اپنی کٹیا میں بیٹھا تھا۔ اس شخص نے کہا۔ مہاراج! تھوڑی سی آگ دو۔۔۔ سادھو نے کہا۔ بھائی! آگ میری کٹیا میں نہیں ہے" دراصل آگ تھی بھی نہیں۔ لیکن اس شخص کا مقصود تو کچھ اور تھا۔ اس لیے اس نے پھر کہا۔ کہ مہاراج! آگ تھوڑی سی ہی دے دیجئے۔ تب سادھو نے منہ بنایا اور غضبناک ہو کر کہا۔ کہ چلا جا کیسا آدمی ہے۔ ہم کہہ رہے ہیں کہ آگ نہیں ہے۔ اور یہ مانتا ہی نہیں اور مانگے چلا جاتا ہے" اس پر اس شخص نے کہا۔ کہ مہاراج! دھواں تو اُٹھتا ہے۔ تھوڑی ہی دے دیجئے۔ اب تو سادھو کو اس قدر غصہ آیا۔ کہ مارے غضب کے آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ اور سونٹا اُٹھا کر مارنے کو دوڑا۔ اُس شخص نے ہاتھ جوڑے اور

کہنے لگا۔ مہاراج! اب تو آگ اچھی طرح جلنے لگی۔ معاف کیجئے۔ سادھو نے کہا۔ تو مجھ سے باربار آگ کیوں مانگتا ہے۔ اُس نے کہا۔ مہاراج! میں نے آپ کی خاکساری کی جانچ کی تھی۔ جو غصہ آپ کو پہلے آیا تھا۔ وہ آگ کا سُلگنا اور دھوئیں کا اُٹھنا تھا۔ اور جو غصہ بعد میں پیدا ہوا۔ وہ گویا آگ کا پورے طور پر بھڑک اُٹھنا تھا۔ یہ آگ آپ کے دل سے پیدا ہوئی اور منہ کے راہ نکلی۔ یہ آگ پہلے آپ کو اور پھر دُوسرے کو جلاتی ہے۔ اگر آپ میں خاکساری ہوتی۔ تو یہ آگ کبھی پیدا نہ ہوتی۔ جیسے کہ خاک میں آگ نہیں لگتی۔ (مخزن اخلاق صہ۳۴۴)

سبق: غصہ ایک ایسی خطرناک آگ ہے۔ جس سے آدمی خود بھی جل جاتا ہے اور دوسروں کو بھی جلا دیتا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں میں خاکساری و تواضع ہوتی ہے۔ وہ کچھ بھی ہو جائے غصہ میں نہیں آتے اور غصہ آ بھی جائے۔ تو اُسے پی جاتے ہیں۔

حکایت نمبر ۱۰۴

خِسّت دُنیا

ایک شخص نے گھر کے کاروبار و مصارف سے تنگ آکر ارادہ کیا۔ کہ دُنیا کو ترک کر دے۔ ایک بیوی تھی۔ اُس بچاری کو تنہا چھوڑ کر

خود کسی جنگل میں نکل گیا۔ اور کسی فقیر کا چیلہ بن گیا۔ گلے میں کفنی ڈال کر ہاتھ میں کاسہ لے کر در بدر بھیک مانگنے لگا۔ ایک دن پھرتا پھرتا اسی بستی میں آنکلا۔ جہاں اس کی بیوی رہتی تھی۔ حسب عادت صدا کی۔ بھلا ہو مائی کچھ فقیر کو مل جائے۔ مائی نے اس بے وفا کی آواز پہچان لی جھانک کر دیکھا۔ تو وہی ذات شریف ہیں۔ خیرات کو تھوڑا سا آٹا دیا۔ اور کہا۔ شاہ جی! گو تمہارا ہمارا میاں بیوی کا رشتہ تو باقی نہ رہا۔ لیکن لاؤ تمہاری روٹی پکا دیں۔ کہا۔ اچھا۔ مگر آٹا۔ دال۔ نمک۔ مرچ اور لوٹا۔ توا چولہا۔ کچھ لکڑیاں سب ضروری اشیاء۔ فقیر کی جھولی میں موجود ہیں یہ سامان لو۔ اور پکا دو۔ تب اُس عورت نے زور سے ایک دو ہتڑ ماری اور کہا۔ کہ کمبخت اِسارا سامانِ دنیا تو اپنی بغل میں لیے پھرتا ہے۔ کیا جورو ہی دنیا ہوتی ہے کہ مجھ غریب کو چھوڑ کر تارک الدنیا بن گیا۔

(مخزن اخلاق ص۱۴۵)

سبق: مال و دولت۔ بیوی بچے اور دنیوی سامان یہ دنیا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو بھول جانا یہ دنیا ہے۔ جو شخص لاکھوں کا مالک ہو اور خدا یاد بھی ہو۔ وہ دنیا دار نہیں ہے۔ اور جو شخص مفلس و قلاش ہو۔ اور خدا کو بھولا ہوا ہو۔ وہ دنیا دار ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

حکایت نمبر ۱۰۵

قید

ایک رند مشرب فقیر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ اور کہا۔ مولوی بابا! شراب پلوا۔ شاہ صاحب نے ایک روپیہ اس کی نظر کیا۔ اور فرمایا جو چاہو سو کھاؤ پیو۔ تم کو اختیار ہے۔ وہ بولا۔ کہ ہم نے آپ کا بڑا نام سُنا ہے۔ لیکن آپ تو قید میں ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ شاہ جی! کیا آپ قید میں نہیں ہیں؟ کہا کہ نہیں! آپ نے فرمایا۔ کہ تم اگر کسی روش کی قید میں نہیں ہو۔ تو آج غسل کرو۔ اور جبہ پہن اور عمامہ باندھ کر مسجد میں چلو۔ اور نماز پڑھو۔ ورنہ جیسے تم رندی کی قید میں ہو۔ اسی طرح ہم شریعت غرا کی قید میں پابند ہیں۔ تمہاری آزادی ایک خیال خام ہے۔ یہ سُن کر وہ چُپ ہو گیا۔ اور شاہ صاحب کے قدم پکڑ لیے۔ کہ درحقیقت میرا خیال غلط تھا۔ جو آزادی کا دم بھرتے تھے۔ اور آئندہ کے لیے رندی مشرب سے تائب ہو گیا۔ (مخزن اخلاق صہ ۲۲۴)

سبق: جو لوگ علماء کرام کے خلاف ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ علماء تنگ نظر ہیں اور آزاد خیالی کے دشمن ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں۔ کہ

ہم کسی مذہب سے متعلق نہیں۔ ہم آزاد خیال ہیں۔ ایسے لوگ بڑے نادان ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ اُن کا آزاد خیال ہونا محض ایک وہم ہی ہے۔ اور وہ خود بھی آزاد خیالی کی قید میں ہیں۔ کسی مذہب سے متعلق نہ ہو کر لامذہبی اختیار کر لینا بھی تو ایک مذہب ہے۔ یعنی جس طرح دُوسرے مذاہب ہیں۔ اسی طرح لامذہبی بھی ایک مذہب ہے تو جو کسی مذہب سے متعلق نہیں۔ وہ لامذہب تو ہے ہی پھر وہ کیسے کہہ سکتا ہے۔ کہ میں کسی مذہب سے متعلق نہیں ہوں۔ مذہبی آدمی نہیں تو لامذہبی آدمی سہی۔ کچھ تو ہے۔ مذہبی آدمی مذہب کی قید میں ہے۔ اور لامذہبی آدمی الحاد کی قید میں ہے۔ پس علماء کرام کے مخالفین اپنے آپ کو آزاد نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ علماء اگر شریعت کی قید میں ہیں تو "آزاد خیال" افرادِ یورپ کی قید میں ہیں۔

حکایت نمبر ۱۰۶

سچّی بات

حجّاج نے ایک دن خطبہ پڑھا۔ اور بہت لمبا کر دیا۔ تو لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے حجّاج! نماز پڑھو۔

کیونکہ وقت انتظار نہیں کرے گا۔ اور خُدا تجھے معذور نہیں رکھے گا
حجّاج سُن کر غصّہ میں آگیا۔ اور اُسے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ
وہ قید کر لیا گیا۔ اُس قوم کے چند لوگ حجّاج کے پاس آگئے۔ اور کہا۔ کہ
وہ قیدی کو چھوڑ دے۔ اس لیے کہ وہ قیدی ایک دیوانہ آدمی ہے
حجّاج نے کہا۔ کہ اگر وہ دیوانگی کا اقرار کرلے۔ تو میں اُسے چھوڑ دونگا۔
چنانچہ وہ لوگ پھر اُس قیدی کے پاس پہنچے اور اس سے کہا۔ کہ وہ
اپنی دیوانگی کا اقرار کرلے۔ اور کہہ دے کہ میں دیوانہ ہوں۔ تاکہ
وہ اس قید سے رہا ہو جائے۔ اس نے کہا۔ معاذ اللہ! میں تو ہرگز
نہ کہوں گا۔ کہ خُدا نے مجھے کسی مرض میں مبتلا کیا ہے۔ حالانکہ اس
نے مجھے تندرستی عطا کی ہے۔ آخر یہ بات حجّاج کو پہنچی۔ تو اُس
نے اس کی راست گوئی کے باعث اُسے معاف کر دیا۔ اور چھوڑ
دیا۔ (مخزن اخلاق ص ۴۲۵)

سبق: اللہ کے نیک بندے کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور
ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں۔ اور ظالم سے ظالم بادشاہ بھی ہو۔ تو اُس
کے سامنے بھی سچی بات کہنے سے نہیں جھجکتے۔

حکایت نمبر ۱۰۷

تین رُقعے

پرانے زمانے کے نیک بادشاہوں میں سے ایک نیک بادشاہ نے اپنے حکم سے تین رقعے لکھوائے۔ اور وہ تینوں رقعے اپنے ایک خاص غُلام کے سپرد کئے۔ اور کہا کہ کسی وقت کسی معاملے میں حکم کرتے وقت اگر مزاج تغیر پذیر ہو جائے۔ اور غصہ وغضب کا اثر میری آنکھوں اور چہرے پر ظاہر ہونے لگے۔ تو قبل اس کے کہ میں حکم کروں۔ پہلا رقعہ مجھے دکھلایا جائے۔ پھر اگر دیکھو کہ آتش غضب سرد نہیں ہوئی۔ تو اس کے بعد ہی دوسرا رقعہ دکھلاؤ۔ اور اگر ضرورت پڑے تو تیسرا رقعہ بھی نظر سے گزار دینا چاہیئے۔

مضمون رقعہ اوّل: "تامل کر اور اپنے ارادے کی باگ کو نفسِ امارہ کے قبضہ وتصرف میں نہ دے۔ کیونکہ مخلوق عاجز اور خالق قوی تر ہے۔ جس نے تجھ کو نیست سے ہست کیا۔

مضمون رقعہ دوم:۔ زیر دستوں کے ساتھ جو کہ ودیعت پروردگار ہیں۔ شتاب زدگی سے معاملہ نہ کر۔ اور ان لوگوں سے جو تیرے مغلوب ہیں، رحم کرتا کہ وہ جو تجھ پہ غالب ہے، اس کے عوض تجھ پر رحم کرے۔

مضمون رقعہ سوم : اس شتاب کاری میں جو تو حکم کرے۔ شرع سے تجاوز نہ کر اور انصاف سے جو کہ دینداری کا جزو اعظم ہے درگزر نہ کر۔ (مخزن اخلاق ص۴۳)

سبق : نیک اور خدا ترس حاکم کبھی ظلم و ستم نہیں کرتے۔ اور ہمیشہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔ اور خدا سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

حکایت نمبر ۱۰۰

اعتراف

حضرت سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمتہ کے پاس ایک قیمتی جام تھا۔ ایک روز بادشاہ نے ارکین دولت کو حکم دیا۔ کہ اس جام کو توڑ دو۔ سب نے عذر کیا۔ کہ حضور! ایسی قیمتی چیز کو توڑنا مناسب نہیں سلطان نے پھر ایاز کو حکم دیا کہ اس جام کو توڑ دو۔ ایاز نے فوراً اس جام کے ٹکڑے کر دیئے۔ اہل دربار نے ایاز کو ملامت کی۔ کہ تو نے یہ کیا غضب کیا کہ ایک قیمتی جام کو توڑ ڈالا۔ ایاز نے جواب دیا۔ کہ میں نے تو ایک جام ہی کو توڑا ہے۔ مجرم تم ہو۔ جنہوں نے شاہی فرمان کو توڑا ہے۔ بادشاہ نے پھر مصنوعی ناراضگی سے پوچھا کہ ایاز! تم نے یہ جام کیوں توڑا۔ جبکہ سارے اہل دربار

نے ایسی حرکت نہیں کی۔ ایاز نے جھٹ ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ حضور! قصور ہو گیا۔ معاف فرمائیے۔ میں اپنی غلطی کو تسلیم کرتا ہوں۔ بادشاہ نے اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر کہا۔ دیکھا یہی ہے وہ خلقِ ایاز جس کی بدولت وہ مجھے منظورِ نظر ہے۔ دیکھ لو اس نے اس جام توڑنے کے واقعہ کو میری طرف منسوب نہیں کیا۔ بلکہ اسے اپنی غلطی قرار دیا ہے۔ (مخزنِ اخلاق ص ۴۲۸)

سبق: نیک اور فرمانبردار بندے اپنی لغزشوں کی نسبت کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرتے اور ہمیشہ اپنی ہی لغزش کا اعتراف کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ تو رب تعالیٰ نے جب پوچھا۔ کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے جواب دیا۔ "فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ" یعنی اے اللہ! یہ کام تو ہی نے مجھ سے کرایا ہے۔ مگر جب حضرت آدم علیہ السلام سے دریافت فرمایا۔ کہ اے آدم! تم شجرِ ممنوع کے پاس کیوں گئے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ یعنی اے رب ہمارے! یہ ہماری ہی لغزش ہے۔ ہم نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ خدا تعالیٰ کو یہ اعتراف پسند آ گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پر خدا خوش ہو گیا۔ معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ بُرے کام کر کے یوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ جی اس میں ہمارا کیا قصور! یہ تو اللہ ہی کو ایسا منظور تھا۔ اور اللہ

ہی نے یہ کام کرایا ہے۔ (معاذ اللہ) وہ لوگ بڑے نادان اور گنہ گار ہیں ہمیشہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۹۰

اشرفیوں کی تھیلی

دو شخص اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ چلتے ہوئے راستے میں ان میں سے ایک نے ایک اشرفیوں کی تھیلی راستے میں پڑی ہوئی پائی۔ وہ تھیلی کو اٹھا کر اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔ "دیکھو بھائی۔ میں نے یہ تھیلی پائی ہے" دوسرا بولا۔ یہ تم نے کیا کہا۔ کہ میں نے پائی۔ یوں کہو۔ کہ "ہم نے پائی" اس واسطے کہ ہم تم دونوں ساتھ ہیں۔ یہ ہم دونوں کا حق ہے۔ پہلے نے کہا۔ میں یہ بات کیوں کہوں۔ جبکہ تھیلی ملی مجھی کو ہے۔ بغرض تھیلی پر لڑتے جھگڑتے چلے جا رہے تھے۔ اتنے میں پیچھے سے کچھ لوگوں کی آہٹ سی معلوم ہوئی۔ کان لگا کر سنا تو وہ لوگ یہ کہتے ہوئے چلے آرہے تھے کہ تھیلی کے چور وہ دونوں آگے جاتے ہیں۔ یہ سن کر وہ تھیلی پانیوالا اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔ کیوں بھئی! اب کیا کریں؟ اب تو ہم مارے گئے۔" دوسرا بولا۔ یہ تم نے کیا کہا۔

کہ "ہم مارے گئے"۔ یوں کہو کہ "میں مارا گیا"۔ جب تم نے تھیلی پالنے میں مجھ کو شریک نہیں کیا۔ تو اب آفت میں بھی میں تمہارا شریک نہیں ہوں"۔ (مخزن اخلاق صہ ۱۳۴)

سبق : جو لوگ فائدے میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے۔ مصیبت میں بھی ان کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔

حکایت نمبر ۱۰۱

نیک نام

ایک بادشاہ کی مجلس میں کسی بزرگ کا ذکر خیر ہوا۔ اور لوگوں نے اس بزرگ کی بڑی تعریف کی۔ بادشاہ کا اشتیاق بڑھا۔ اور اس نے چاہا کہ وہ اس بزرگ سے ملاقات کرے۔ چنانچہ اُس نے اپنا ایک خاص آدمی بھیج کر اُس بزرگ کو اپنے پاس بُلایا۔ وہ بزرگ جب مجلس شاہی میں تشریف لائے تو آتے ہی فرمایا"بادشاہ کی ہزاروں سال کی عمر ہو جیو"۔ بادشاہ نے کہا آپ نے اپنے پہلے کلام ہی میں اپنی حماقت ظاہر کر دی۔ جو آپ جیسے بزرگ کے شایانِ شان نہ تھی۔ بھلا کوئی آدمی ہزاروں سال بھی جی سکتا ہے؟ اس بزرگ نے فرمایا۔ کہ آدمی کی حیات تعلقِ بدن ہی پر موقوف نہیں۔

جو آدمی حکومت پاکر عدل و انصاف اور خُدا ترسی سے کام لے۔ اور اچھے کام کرے۔ وہ آدمی نیک نام بن کر ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے۔ میری مراد یہی تھی۔ کہ عدل و انصاف کی بدولت آپ کا نام ہزاروں سال تک صفحۂ دہر پر قائم رہے۔ (مخزن اخلاق ص ۴۳۶)

سبق: عدل و انصاف اور خُدا ترسی سے کام لینے سے عمر بھی بڑھتی ہے۔ اور انسان مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ پس ہمیشہ عدل و انصاف اور اچھے کام کرنے چاہئیں اور ظلم و ستم اور بُرے کاموں سے باز رہنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۱۱۰

فصاحت و حاضر جوابی

حجاج ابنِ یوسف بڑا جابر اور سخت گیر حاکم اور عربی زبان کا بڑا فاضل اور زبردست خطیب بھی تھا۔ ایک شاعر قبعثری نامی انگوروں کے موسم میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایک باغ میں گیا۔ سارے دوست آپس میں گفت گو کرنے لگے۔ تو اثناءِ گفت گو میں حجاج کا بھی ذکر چھڑ گیا۔ قبعثری نے کہا۔

اَللّٰھُمَّ سَوِّدْ وَجْھَہٗ - وَاقْطَعْ عُنُقَہٗ وَاسْقِنِیْ مِنْ دَمِہٖ -

(ترجمہ) "اے اللہ! اس کا منہ کالا کر اور اس کی گردن کاٹ۔ اور اس کا خون مجھے پلا"

جب یہ خبر حجاج تک پہنچی۔ تو اسی وقت اُسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ حجاج کے سامنے آیا اور اس کے غضب و جلال کو دیکھا تو کہنے لگا۔ کہ اے امیر! حقیقت یہ ہے کہ میں نے باغ میں جا کر دیکھا۔ کہ انگور پکنے کے قریب ہیں۔ تو میں نے اللہ سے دُعا کی۔ کہ "اے اللہ! اس کا منہ کالا کر۔ یعنی انگور پک کر سیاہ ہو جائیں۔ اور اس کی گردن کاٹ۔ یعنی انگور کا خوشہ درخت سے جُدا ہو۔ اور اس کا خون پلا۔ یعنی انگور کا شیرہ مجھے پلا۔" میرا مطلب تو یہ تھا۔ مگر۔ دشمنوں نے میری عداوت میں آ کر اس کے اُلٹے معنی مراد لیے۔ حجاج ان معنوں میں اس سے جھگڑتا رہا۔ مگر وہ اپنی فصاحت و بلاغت سے غالب آتا رہا۔ حجاج نے تنگ آ کر کہا۔

لَاَحْمِلَنَّکَ عَلَی الْاَدْھَمِ

میں تجھے بیڑیاں پہناؤں گا

• "اَدْھَمْ" کے معنی لوہے کی بیڑی بھی ہیں اور سیاہ گھوڑے بھی۔ قبعثری نے اس کا یہ حکم سن کر کہا۔ آپ سے یہی امید ہے۔ کہ آپ مجھے سیاہ گھوڑے پر بٹھائیں گے۔ حجاج نے کہا "اَرَدْتُ الْحَدِیْدَ"

میری مراد لوہا (حدید) ہے۔ قبعثری نے یہ سُن کر کہا۔

" اَنْ یَکُوْنَ حَدِیْداً خَیْرٌ مِّنْ بَلِیْد۔ اگر گھوڑا تیز ہو۔ تو سُست سے بہتر ہے۔"

" حدید " کے معنی لوہا بھی اور تیز بھی ہیں۔

حجاج اس کی فصاحت و حاضر جوابی سے عاجز آگیا۔ اور اُسے معاف کر دیا۔ (تعلیم الاخلاق ص ۱۴۰)

سبق: عربی زبان بڑی جامع ہے۔ اور عرب کے فصحاء بڑے باکمال ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علم بڑی کار آمد چیز ہے۔ اس سے آدمی بڑی بڑی مصیبتوں سے بچ جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۲۰

ننگا شیطان

شیخ ابوالقاسم جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ابلیس کو خواب میں ننگا دیکھا۔ (خدا کی پناہ اس سے) میں نے اس سے کہا۔ تجھے انسانوں سے شرم نہیں آتی۔ کہا یہ لوگ تمہارے نزدیک انسان ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ ابلیس نے کہا۔ اگر یہ انسان ہوتے۔ تو جیسے لڑکے

گولی کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ نہ کھیلنا۔ ہاں انسان ان کے سوا اور ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ ابلیس بولا۔ مسجد شونیزیہ میں چند لوگ ہیں۔ جن کی عبادت و پرہیزگاری سے میں عاجز آگیا ہوں میں نے بڑی کوشش کی۔ مگر ان پہ قابو نہ پا سکا۔

حضرت جنید فرماتے ہیں۔ کہ میں خواب سے بیدار ہوا۔ تو مسجد شونیزیہ میں گیا۔ وہاں تین مرد نظر آئے۔ اپنے سر گدڑیوں میں ڈالے اور سر جھکائے بیٹھے تھے۔ جب میری آہٹ ہوئی تو ان میں سے ایک نے گدڑی سے سر نکالا۔ اور کہا۔

"اے جنید! شیطان خبیث کی بات سے دھوکا نہ کھانا۔

یہ کہہ کر پھر منہ چھپا لیا۔" (ریاض الریاحین ص۲۶)

سبق: عریانی اور ننگا پن شیطانی فعل ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ شیطان اللہ کے مقبولوں پہ قابو نہیں پا سکتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے مقبولوں پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ پھر ان سب اللہ والوں کے آقا و مولیٰ اور سردار حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کس طرح غائب رہ سکتی ہے۔

حکایت نمبر ۱۳۰

امتحان

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں بغداد میں تھا۔

وہاں فقراء کی ایک جماعت رہتی تھی۔ ایک روز ایک جوان ہشیار عقلمند، خوبصورت، خوش اخلاق آیا۔ میں نے اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے کہا۔ یہ جوان یہودی معلوم ہوتا ہے۔ میرے ساتھیوں کو یہ بات بُری لگی۔ میں باہر آیا۔ تو وہ جوان بھی باہر آگیا۔ لیکن پھر اندر چلا گیا۔ اور ان میرے ساتھیوں سے پوچھا۔ کہ یہ بڑے صاحب میرے متعلق تم سے کیا کہہ رہے تھے۔ انہوں نے اس کے بتلانے سے اجتناب کیا۔ لیکن جب اس نے اصرار کیا۔ تو انہوں نے کہہ دیا۔ کہ ہمارے شیخ تمہیں یہودی بتا رہے تھے۔ ابراہیم خواص فرماتے ہیں۔ کہ یہ بات سنتے ہی وہ جوان میرے قدموں میں گر پڑا۔ اور مسلمان ہوگیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں امتحان ہی کی نیّت سے آیا تھا۔ اور یہ سوچ کر آیا تھا۔ کہ اگر یہ لوگ سچے ہیں۔ تو ان میں سے کوئی مجھے ضرور پہچان لے گا۔ چنانچہ شیخ کی نگاہ نے مجھے تاڑ لیا۔

(ریاض الریاحین ص۴)

سبق: جو لوگ اللہ کو پہچان لیتے ہیں اور زمرۂ عارفین میں آجاتے ہیں۔ پھر وہ ہر نیک و بد اور ہر خیر و شر کو بھی پہچاننے لگتے ہیں۔ اور ان کے علم و عرفان سے کوئی چیز باہر نہیں رہتی۔

حکایت نمبر ۱۴۰

تقویٰ

حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمتہ اللہ علیہ نے ایک روز ایک باغ میں نہر کے اندر سیب بہتے ہوئے دیکھا۔ اور یہ سمجھ کر کہ اس کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ اٹھایا اور کھا لیا۔ کھا لینے کے بعد آپ متفکر ہوئے اور سوچنے لگے۔ کہ کہیں یہ سیب کھا لینا ناجائز اور حرام نہ ہو۔ خدا جانے یہ سیب کس کا تھا۔ اور کیسا تھا جو میں نے کھا لیا۔ قیامت کے روز اگر اس کی بازپرس ہو گئی۔ تو کیا جواب دوں گا؟ اسی فکر میں باغ کے مالک کے گھر پہنچے۔ اور دروازہ کھٹکایا۔ ایک لونڈی باہر نکلی۔ حضرت ابراہیم کہنے لگے۔ میں باغ کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔ لونڈی نے بتایا کہ باغ کی مالک ایک عورت ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ اس سے کہہ دو۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ باغ کی مالکہ باہر نکلی۔ اور حضرت ابراہیم سے سارا قصہ سن کر کہنے لگی۔ اس باغ کا آدھا حصہ میرا ہے۔ اور آدھا بادشاہ کا۔ میں اپنا حق تو معاف کرتی ہوں۔ اور بادشاہ کے حق کی میں ذمہ دار نہیں۔ بادشاہ بلخ میں تھا۔ حضرت ابراہیم

آدھا حصہ بخشوا کر باقی کے آدھے حصے کو بخشوانے کے لیے بلخ پہنچے۔ اور بادشاہ سے بھی معاف کرا کے دم لیا۔ (روایات ص۳۰۳)

سبق: اللہ کے مقبول بندے بڑے ہی متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں۔ وہ پرائی چیز پر کبھی قبضہ نہیں کرتے۔ اور حرام ناجائز چیز کے استعمال سے ہمیشہ بچتے ہیں۔ مگر آہ! آج کل تو یہ عالم ہے کہ ؎

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام
جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجئے

حکایت نمبر ۱۵۱

فضول خرچی

ایک فضول خرچ امیر آدمی سے ایک بھکاری نے سوال کیا "خدا کے نام پر ایک دینار مجھے عطا کیجئے۔" امیر آدمی نے حیرت کے ساتھ سائل سے پوچھا۔ کہ تم نے اتنا زیادہ مجھ سے کیوں مانگا۔ جبکہ دوسروں سے تم بہت کم طلب کرتے ہو۔

بھکاری نے جواب دیا۔ بات یہ ہے جناب! دوسرے لوگوں

سے مجھے امید ہے کہ پھر دوبارہ بھی ان سے مجھے کچھ نہ کچھ ملے گا۔ لیکن آپ جس طرز سے خرچ کر رہے ہیں۔ اس کے پیش نظر آئندہ آپ سے مجھے بھیک ملنے کی توقع نہیں ہے۔ کیونکہ آپ خود مفلس ہو چکے ہوں گے۔ اس لیے اسی وقت جتنا مل جائے غنیمت ہے۔ فضول خرچ یہ بات سُن کر بڑا متاثر ہوا۔ اور پھر احتیاط سے خرچ کرنے لگا۔ (روایات صفحہ ۲۵۳)

سبق: انسان کو بڑی احتیاط سے خرچ کرنا چاہیئے۔ اور فضول خرچی سے بچنا چاہیئے۔ ورنہ فضول خرچی کے ہاتھوں مفلس اور بھکاری بننا پڑتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۶۷
استقلال

پرانے زمانے میں ایک آدمی تھا۔ جو ایک شہر سے دوسرے شہر کا چکر لگایا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک موٹا تازہ بیل تھا۔ اس بیل کو وہ اپنے کاندھے پر لیے گھوما کرتا تھا۔ لوگ اس کی قوت کا یہ کمال دیکھتے تو حیران رہ جاتے تھے۔ وہ سوچا کرتے تھے یہ بلا کی قوت اس معمولی شخص میں کہاں سے آگئی۔ یہ کیا کھاتا ہے؟ کہاں سے یہ قوت لاتا ہے؟ ایک مرتبہ لوگوں میں سے ایک نے یہ کمال دیکھ کر اس سے پوچھا۔ کہ تم

نے اتنی زبردست قوت و طاقت کہاں سے اور کیسے حاصل کی؟ اس نے جواب دیا۔ اس بیل کو جب یہ ذرا سا بچھڑا تھا۔ میں روز اپنے کندھے پر اٹھانے کا عادی ہوں۔ کوئی دن بھی ایسا نہیں گذرا کہ میں اسے اپنے کندھے پر نہ اٹھاتا ہوں۔ اس مشق اور مداومت و استقلال کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جیسے جیسے اس کا وزن بڑھتا گیا۔ میری قوت و طاقت بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ یہ اب اگرچہ پورا سانڈ بن چکا ہے مگر اسے اپنے کاندھے پر اٹھا لینے میں مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔

(روایات صفحہ ۵۵)

سبق : جو انسان ہمت و مداومت و استقلال سے کام لیتا ہے۔ وہ کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور استقلال و مداومت سے بڑی بڑی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ اور قوت برداشت و تحمل میں اضافہ ہوتا ہے۔ پس ہمیں بھی ہمت و استقلال اور مداومت سے کام لینا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۱۰۱

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے حضور کو تکلیف پہنچائی اور کہنے لگے۔ کہ تو ہی ایک خدا بتاتا ہے۔ خدا کی قسم کسی کو مشرکین مکہ سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اور مشرکین کو مار مار کر ہٹانے لگے اور دھکا دے دے کر گرانے لگے۔ اور فرماتے جاتے تھے۔ افسوس تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ جو کہتا ہے۔ میرا پروردگار ایک ہے۔ پھر حضرت علی چادر اٹھا کر رونے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی پھر فرمایا۔ خدا تعالیٰ تمہیں ہدایت دے۔ یہ تو بتلاؤ۔ کہ مومن آل فرعون اچھے تھے۔ یا ابو بکر اچھے ہیں۔ لوگ خاموش رہے۔ تو خود آپ ہی نے جواب دیا۔ تم کیوں نہیں جواب دیتے۔ اللہ کی قسم! حضرت ابو بکر کی ایک گھڑی ان کے ہزار گھنٹوں سے بہتر ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے ایمان کو چھپاتے تھے اور ابو بکر نے اپنے ایمان کا علی الاعلان اظہار کیا۔

(تاریخ الخلفاء حضرت ابو بکر کی شجاعت کے بیان میں ص ۲۴)

سبق: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ اور آپ کی ہمت و جرأت کا اقرار حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کو بھی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے ایمان کو نہ چھپانا اور اس کا اعلان کرنا بہتر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے نزدیک فضیلت کا موجب ہے۔

حکایت نمبر ۱۰۸

جمع قرآن

مسیلمہ کذاب کی جنگ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ حضرت زید جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو اس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی صدیق اکبر کے پاس بیٹھے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید سے فرمایا۔ کہ یہ عمر فاروق اعظم مجھ سے کہتے تھے۔ کہ جنگ یمامہ میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے ہیں مجھے ڈر ہے۔ کہ اسی طرح اگر مسلمان شہید ہوتے رہے تو حافظوں کے ساتھ قرآن شریف بھی نہ اٹھ جائے۔ اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کو جمع کر لیا جائے۔ میں نے انہیں یہ جواب دیا تھا کہ۔ كَيْفَ نَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی "وہ کام کیسے کرو گے۔ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔"
مگر عمر فاروق نے یہ جواب دیا کہ "واللہ یہ کام نیک ہے"۔ (یعنی اگرچہ یہ کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ مگر کام اچھا ہے۔)

اس بات پر وہ برابر اصرار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ میرا بھی سینہ کھل گیا۔
اور میں بھی اس کی اہمیت کو سمجھ گیا۔
(اے زید) تم جوان اور عقلمند آدمی ہو۔ تم کاتب وحی بھی رہ چکے
ہو۔ لہٰذا تم تلاش کر کے قرآن شریف کو ایک جگہ جمع کر دو۔ حضرت
زید کو یہ حکم بہت شاق گذرا۔ اور یہ بھی یہی فرمانے لگے کہ؛
كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
(آپ وہ کام کیسے کریں گے۔ جو کام رسول اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا۔ کہ "خدا کی قسم یہ کام اچھا
ہے" مگر حضرت زید کو اس میں تامل ہی رہا۔ حتیٰ کہ زید کا بھی سینہ
کھل گیا۔ اور وہ بھی جمع قرآن کی اہمیت کو سمجھ گئے۔ پھر حضرت زید
نے کاغذ کے پرچوں اور اونٹ بکریوں کے شانوں کی ہڈیوں۔ درختوں
کے پتوں اور حافظوں کے سینوں سے قرآن شریف کو حاصل کیا۔
اور جمع کر کے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں پیش کر دیا۔

(بخاری شریف باب جمع القرآن صفحہ ۴۵)

سبق: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کو جمع فرما
کر امت پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ ساری امت آپ کے
اس احسان کے زیر بار ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل جو لوگ کئی
نیک کاموں کو بدعت کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ وہ بہت بڑی غلطی پہ ہیں۔ اس لیے کہ "جمع قرآن" بھی ایک ایسا کام تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ اور اسی لیے صدیق اکبر اور حضرت زید نے بھی پہلے یوں فرمایا تھا۔ کہ وہ کام کیسے کریں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ بلکہ جب انشراح صدر ہو گیا۔ تو جواب یہ تھا۔ کہ کام اچھا ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو "جمع قرآن" باوجود اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ تھا۔ مگر کام اچھا سمجھ کر صحابہ کرام نے کر لیا۔ اور کسی نے اس پہ بدعت کا فتویٰ نہ لگایا۔ اسی طرح آج بھی اگر کوئی مسلمان جلوس میلاد شریف نکالے۔ یا محفل میلاد شریف اور گیارہویں شریف کا انعقاد کرے۔ یا کوئی اور نیک کام کرے۔ اور اس پر کوئی شخص یوں کہے۔ کہ مروجہ ہیئت سے ان کاموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو اس کے اس زعم کا ہم یہی جواب دے سکتے ہیں۔ کہ

وَاللّٰہِ ھٰذَا خَیْرٌ

"خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے۔"

پھر بھی اگر کوئی نہ مانے۔ تو سمجھ لیجئے۔ کہ انشراح صدر اس کے نصیب ہی میں نہیں۔

حکایت نمبر ۱۹۱

مافی الارحام کا علم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وقتِ وصال تشریف آیا۔ تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ بیٹی! میں تجھے ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تیری غربت سے مجھے رنج پہنچتا ہے۔ اور خوش حالی سے راحت۔ میرے مرنے کے بعد میرا ترکہ تیرے جو دوسرے بھائی اور بہنیں ہیں، اُن پر قرآن کی رُو سے تقسیم کرنا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ ابا جان! ایسا ہی ہوگا۔ مگر میری تو ایک ہی بہن اسماء ہے۔ دوسری بہن ہے ہی کب ہے؟ فرمایا۔ تمہاری سوتیلی ماں حبیبہ حاملہ ہے۔ اس کے پیٹ میں لڑکی ہے۔ پس میں اس کی بھی تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۶۵ صدیق اکبر کی وفات کے بیان میں)

سبق: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ان کی یہ شان ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی عطا سے وہ مافی الارحام کا بھی علم رکھتے ہیں۔ پھر جو ان کے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جن کے صدقہ میں انہیں یہ شان ملی۔ ان کی نظر سے مافی الارحام

یا کوئی اور چیز کیسے غائب رہ سکتی ہے۔ پھر کس قدر بے خبر ہیں وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یوں لکھ اور کہہ دیتے ہیں۔ کہ انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ (معاذ اللہ)

حکایت نمبر ۲۰۶

چوری

حضرت احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک شخص کے ہاں چوری ہو گئی۔ آپ اپنے دوستوں کے ساتھ اس کی غمخواری کو تشریف لے گئے۔ پڑوسی نے بڑی خندہ پیشانی سے اُن کا استقبال کیا۔ حضرت احمد حرب نے بتایا۔ کہ ہم تمہاری چوری ہو جانے کا افسوس کرنے آئے ہیں۔ پڑوسی بولا۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں۔ اور مجھ پر اس کے تین شکر واجب ہو گئے ہیں۔ ایک یہ کہ دوسروں نے میرا مال چرایا ہے۔ میں نے نہیں۔ دوسرے یہ کہ ابھی آدھا مال میرے پاس موجود ہے۔ تیسرے یہ کہ میری دنیا کو ضرر پہنچا ہے۔ اور دین میرے پاس ہے۔

(مخزن اخلاق صہ ۲۳۴)

سبق: اللہ کے بندے ابتلا میں بھی اللہ کا شکر ہی ادا کرتے

ہیں۔ اور کبھی اس کا شکوہ نہیں کرتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ سب سے بڑی دولت دین ہے۔ یہ سلامت ہے۔ تو کچھ غم نہ ہونا چاہیئے بقول شاعر ؎

کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیرؔ!
نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

حکایت نمبر ۱۲۱

دُنیا کی تمثیل

ایک شخص نے خواب میں دیکھا۔ کہ وہ کسی جنگل میں چلا جاتا ہے۔ اس نے دیکھا۔ کہ میرے پیچھے ایک شیر آرہا ہے۔ یہ بھاگا جب تھک گیا۔ تو دیکھا۔ کہ آگے ایک بڑا گہرا گڑھا ہے۔ اس نے جان بچانے کے لیے گڑھے میں کودنا چاہا۔ مگر گڑھے کے اندر جھانکا۔ تو اس میں ایک اژدہا منہ کھولے بیٹھا تھا۔ اب یہ گھبرایا کہ کیا کرے۔ پیچھے شیر ہے۔ اور آگے اژدہا۔ اچانک اسے ایک درخت کی ٹہنی نظر آئی۔ یہ اس سے لٹک گیا۔ مگر جب ہاتھ ٹہنی کو ڈال کر لٹک چکا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ اس ٹہنی کو دو سیاہ اور سفید چوہے جڑ سے کاٹ رہے ہیں۔

اب تو یہ بہت ڈرا۔ کہ تھوڑی دیر میں یہ ٹہنی کٹ جائے گی۔ اور میں گر جاؤں گا۔ اور شیر و اژدہا کا لقمہ بن جاؤں گا۔ اتفاقاً درخت پر اُسے شہد کا ایک چھتہ نظر پڑا۔ اور یہ اس شہد کے پینے میں مشغول ہو گیا۔ نہ شیر کا خیال رہا نہ اژدہا کا۔ اور نہ چوہوں کا ڈر۔ اچانک وہ ٹہنی جڑ سے کٹ گئی۔ اور یہ گر پڑا۔ اور شیر نے پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیا۔ اور اژدہے نے اسے نگل لیا۔ (مخزن اخلاق ص ۳۸۳)

سبق: جنگل سے مراد دنیا ہے۔ اور شیر موت ہے جو پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اور گڑھا قبر ہے جو آگے ہے۔ اور اژدہا بُرے عمل ہیں۔ جو قبر میں ڈسیں گے۔ اور دو چوہے سفید اور سیاہ۔ دن اور رات ہیں۔ اور درخت عمر ہے۔ جسے وہ کاٹ رہے ہیں۔ اور شہد کا چھتہ دنیا کی فانی لذات ہیں۔ جن میں مشغول ہو کر انسان موت، قبر اور سزائے اعمال بد سے غافل ہو جاتا ہے۔ پھر اچانک موت آجاتی ہے۔ اور بجز ندامت و حسرت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حکایت نمبر ۲۲۔

اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ

ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی نے اپنی مارچ ۶۳ء کی اشاعت

میں "علمائے امرتسر" کے زیرِ عنوان "مولانا نور احمد صاحب پسروری ثم امرتسری" کے حالات لکھتے ہوئے مولانا کا ایک اپنا بیان کردہ یہ واقعہ بھی لکھا ہے۔

"میں نے ایک دفعہ مکہ سے پیدل چل کر دربارِ نبوی میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ اثنائے سفر ایک رات ایسی آئی کہ قیام کے لیے کوئی منزل نہ تھی۔ اس لیے بڑی پریشانی ہوئی۔ معاً مجھے یاد آیا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ کہ سفر میں راہ بھول جاؤ۔ تو بلند آواز سے۔

يَا عِبَادَ اللهِ اَعِيْنُوْنِيْ

اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

پکارا کرو۔ میں نے اس پر عمل کرتے ہوئے تین بار پکارا۔ اور پھر ایک بار چاروں طرف نظر دوڑائی۔ تو قریب ہی ایک جھونپڑی نظر آئی۔ اور میں اس طرف چلا۔ جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ چند بچے جھونپڑی کے باہر کھیل رہے ہیں۔ اور یہ بچے مجھے دیکھتے ہی پکار اٹھے۔

"جَاءَ ضَيْفُ اللهِ - اللہ کا مہمان آیا۔"

بچوں کی آواز سنتے ہی اندر سے ایک مرد نکلا۔ اور اس نے میری بڑی خاطر و مدارات کی۔ کھانا کھلایا۔ اور رات بسر کرنے کے لیے بستر وغیرہ دیا۔ اور صبح کو مجھے راستے پر ڈال دیا۔

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس سے قبل یعنی اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللہ۔" پکارنے سے قبل بقائمی ہوش و حواس اس علاقے میں کوئی جھونپڑی نہ دیکھی تھی۔"

سبق : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد برحق ہے اور آپ کے ارشاد کے مطابق اس قسم کی مشکل کے وقت اللہ کے بندوں کو مدد کے لیے پکارنا ہرگز شرک نہیں ہے۔ ورنہ حضور ایسی تعلیم کیوں دیتے اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے لیے گہری محبت اور سچی عقیدت درکار ہے اور اگر محبت و عقیدت ہی میں ضعف ہو۔ تو پھر ایسی احادیث مبارکہ بھی ضعیف نظر آنے لگتی ہیں۔

حکایت نمبر ۲۳۰

سب کے حاجت رَوا سَلامُ عَلَیک

شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ تو جبریل امین وہاں رک گئے۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! اب میں یہاں سے بال بھر بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر میں یہاں سے آگے بڑھوں تو نورانیت سے جل جاؤں گا۔ حضور نے فرمایا۔

اچھا اے جبریل!

هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ ۔ تیری کوئی حاجت ہے؟

عرض کیا۔

سَلِ اللّٰهَ اَنْ اَبْسُطَ جَنَاحِیْ عَلَی الصِّرَاطِ لِاُمَّتِكَ حَتّٰی یَجُوْزُوْا عَلَیْهِ ۔ یعنی اللہ سے میرے لیے سوال کیجئے۔ کہ قیامت کے روز آپ کی امت کے لیے میں پل صراط پر اپنے پر بچھا دوں۔ تاکہ آپ کی اُمّت آسانی سے اُوپر سے گزر جائے۔ (مواہب لدنیہ صہ۲۹ جلد ۲)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امین کے بھی حاجت روا ہیں۔ اور آپ نے خود اس سے فرمایا۔ کہ کوئی حاجت ہے۔ تو پیش کرو۔ پھر جبریل نے بھی یہ نہیں کہا۔ کہ حضور میری جو حاجت ہوگی میں اپنے اللہ سے خود کہہ لوں گا۔ نہیں جبریل نے اپنی حاجت حضور کی بارگاہ میں پیش کی۔ اور اللہ سے جو مانگا۔ حضور کے وسیلہ سے مانگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اس نسبت سے ہم جبریل کی نظروں میں بھی محبوب بن گئے ہیں۔ دیکھئے جبریل نے اگر اپنی حاجت پیش کی۔ تو یہ کہ میں پل صراط پہ اپنے پر بچھا دینے چاہتا ہوں۔ تاکہ حضورؐ کی اُمّت کو آسانی ہو جائے صلے اللہ علیہ وسلم۔

حکایت نمبر ۲۴۰

حلوان کا پہاڑ

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت نضلہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت حلوان میں مصروفِ جہاد تھے۔ اسی اثناء میں ایک پہاڑ پر نماز مغرب کا وقت ہوگیا۔ اور حضرت نضلہ نے وہیں اذان دینا شروع کی۔ جب آپ نے کہا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ۔ تو اس پہاڑ میں سے ایک غیبی آواز آئی۔

کَبَّرْتَ کَبِیْرًا یَا نَضْلَۃُ

"بڑے کی بڑائی بیان کی تو نے اے نضلہ!"

پھر جب کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ـــــ تو آواز آئی:۔

کَلِمَۃُ الْاِخْلَاصِ یَا نَضْلَۃُ

"اخلاص کا کلمہ ہے اے نضلہ!"

پھر جب کہا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ۔ تو آواز آئی:۔

ھُوَالَّذِیْ بَشَّرَنَا بِہٖ عِیْسٰے بْنُ مَرْیَمَ

"یہی وہ ذات پاک ہے جس کی بشارت ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے دی۔"

پھر جب کہا۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ـــــ تو آواز آئی:۔

طُوْبٰی لِمَنْ مَشٰی اِلَیْھَا وَوَاظَبَ عَلَیْھَا

"بشارت ہو اُسے جو نماز پڑھنے گیا اور ہمیشہ پڑھتا رہا۔"

پھر جب کہا حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ـــــ تو آواز آئی

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَجَابَ مُحَمَّدًا

"نجات پا گیا وہ شخص جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مان لیا۔"

پھر جب کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ـــ تو آواز آئی

اَخْلَصْتَ الْاِخْلَاصَ کُلَّہٗ یَا نَضْلَۃُ

"تم نے پورا پورا اخلاص بیان کر دیا اے نضلہ!"

حضرت نضلہ اذان سے فارغ ہو گئے۔ تو آپ نے آواز دی۔ کہ اے غیب سے آواز دینے والے۔ تو فرشتہ ہے یا جن ہے۔ یا کوئی اللہ کا مقبول انسان۔ تو کون ہے؟ تو نے ہمیں اپنی آواز تو سنا دی۔ اب اپنی صورت بھی دکھا دے۔ دیکھ ہم اللہ اور اس کے رسول کے اور حضرت عمر کے وفد ہیں۔ ہماری بات مان اور سامنے آ۔

اتنے میں پہاڑ پھٹا۔ اور اس میں سے ایک سفید ریش اور سفید سر بزرگ نکلے۔ اور کہنے لگے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حضرت نضلہ اور ان کے ساتھیوں نے وعلیکم السلام کہا۔ اور پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصی ہوں۔ میرا نام زریب بن برغلا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے اس پہاڑ پر ٹھہرایا ہے۔ اور میرے لیے

لمبی عمر کی دعا فرمائی ہے اور دعا فرمائی ہے کہ میں اُن کے آسمان سے نازل ہونے تک زندہ رہوں۔ چنانچہ میں آج تک زندہ ہوں۔ اے اصحاب محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ملاقات کر نہیں سکا۔ اب یہ حضرت عمر کا دورِ خلافت ہے۔ عمر فاروق کو میرا اسلام کہنا۔ (کنز العمال برحاشیہ مسند امام احمد ص۲۴۴ جلد ۲)

سبق: صحابہ کرام کی بہت بڑی شان ہے۔ بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تو اتنی بڑی شان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بھی ان پہ سلام بھیجتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے ایک غلام کو طویل عمر مل گئی۔ پھر خود ان کا طویل عمر پانا کیوں ممکن نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پہ زندہ موجود ہیں۔ اور وہ آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اہل اسلام گھروں میں ہوں جنگلوں میں یا پہاڑوں پہ، اور حالتِ امن میں ہوں یا جنگ میں۔ نماز کو وہ کسی حال میں نہیں چھوڑتے۔

حکایت نمبر ۲۵۷

امین بھکاری

ایک فقیر مصر کی جامع مسجد کے دروازے پر بیٹھا بھیک مانگ رہا

تھا۔ کچھ رئیس لوگ وہاں سے گزرے۔ اس نے ان سے سوال کیا۔ مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔ ان لوگوں میں سے ایک رئیس کی جیب سے دیناروں بھری تھیلی گر پڑی۔ اس تھیلی میں پانچ سو دینار تھے۔ ان کے جانے کے بعد فقیر کی نظر پڑی۔ تو اس نے وہ تھیلی اٹھالی۔ اور حفاظت کے ساتھ رکھ لی۔ اتنے میں دیناروں کا مالک گھبرایا ہوا آیا۔ اور پوچھا۔ میری تھیلی کہیں گر پڑی ہے۔ تم نے تو نہیں دیکھی؟ فقیر نے کہا۔ وہ تھیلی مجھے ملی ہے۔ اور میرے پاس ہے۔ پھر اس نے تھیلی نکال کر پیش کر دی۔ وہ شخص بڑا خوش ہوا۔ اور کہا اب میں تجھے پندرہ دینار دوں گا۔ فقیر بولا۔ میں کچھ نہیں لوں گا۔ اس لیے کہ میں نے پہلے آپ سے ایک چیز بطور احسان کے مانگی تھی۔ مگر اب نہیں لوں گا۔ کیونکہ اب اگر کچھ قبول کروں۔ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دین دے کر دنیا لے لوں۔ (حکایات و روایات صہ ۲۲۸)

سبق:- پہلے زمانہ کے بھکاری بھی بڑے امین ہوتے تھے۔ مگر آجکل یہ روش عام ہے۔ کہ "رام رام جپنا پرایا مال اپنا"۔ یا (بزبان پنجابی) لبتی چیز خدا دی۔ نہ دھیلے دی نہ پا دی۔

حکایت نمبر ۱۲۶

زہریلا سانپ

حضرت ابوالسائب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ایک نوجوان صحابی

کی نئی نئی شادی ہُوئی۔ ایک دفعہ وہ اپنے گھر آئے۔ تو دیکھا۔ کہ ان کی دلہن دروازہ میں کھڑی ہے۔ یہ دیکھ کر اُن کو غیرت آئی۔ اور دُلہن کو مارنے کے لیے نیزہ اُٹھا لیا۔ دلہن نے کہا۔ مجھے مارو نہیں پہلے اندر چل کر دیکھو۔ کہ کس چیز نے مجھے باہر کھڑے ہونے پر مجبور کیا ہے؟ چنانچہ وہ صحابی اندر گئے۔ تو دیکھا۔ کہ ایک بہت بڑا سانپ کنڈلی مارے بچھونے پر بیٹھا ہے۔ آپ نے وہ نیزہ اس سانپ کو مارا۔ اور سانپ نیزے میں پرو لیا۔ سانپ نے تڑپ کر ان پر حملہ کر کے ڈس لیا۔ صحابی کا اسی وقت انتقال ہو گیا۔ اور وہ سانپ بھی مر گیا۔ (مشکوٰۃ شریف صہ۳۵۲)

سبق:۔ صحابہ کرام بڑے غیرتمند تھے۔ کہ بیوی کو محض دروازے میں کھڑے دیکھ کر یہ نوجوان صحابی غیرت میں آ گئے۔ اور بے قرار ہو گئے۔ مگر آجکل کے بعض مسلمان اپنی عورتوں کو تھیٹروں۔ کلبوں میں لے جاتے ہُوئے بھی نہیں شرماتے۔ اور پرائے مردوں سے خود ہی اپنی عورتوں کا ہاتھ ملا کر خوش ہوتے ہیں۔ اور فخر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔ اور عورتوں کو پردے میں رکھنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۲۷ ابوالمعالی کی

مشائخ عظام کی ایک جماعت نے متعدد اسناد کے ساتھ روایت

کیا ہے۔ کہ ابوالمعالی محمد بن احمد بغدادی ایک مرتبہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس وعظ میں حاضر ہوئے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑے مجمع میں وعظ فرما رہے تھے۔ یہ بھی آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ابوالمعالی کو رفع حاجت کی ضرورت لاحق ہوئی اور اتنے بڑے مجمع میں سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ یہ بڑے پریشان ہوتے۔ اور اسی پریشانی کے عالم میں حضور غوث اعظم کی طرف دیکھنے لگے۔ حضور غوث اعظم منبر سے نیچے اُترے۔ اور اس شان سے اُترے۔ کہ منبر پر بھی غوث اعظم تشریف فرما ہے۔ اور ان کے پاس بھی تشریف لے آتے۔ مگر ان کے پاس تشریف لاتے ہوئے دوسرا کوئی نہ دیکھ سکا۔ ابوالمعالی کے پاس پہنچ کر آپ نے اپنے رومال سے ان کا سر ڈھانپ دیا۔

ابوالمعالی نے دیکھا۔ کہ وہ ایک وسیع صحرا میں ہیں۔ جس میں ایک نہر کے پاس ایک درخت ہے۔ ابوالمعالی نے اپنی کنجیاں اس درخت پر لٹکا دیں۔ اور قضائے حاجت کے بعد نہر سے وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے۔ اور جب سلام پھرا۔ تو حضور غوث اعظم نے ان کے سر سے رومال اُٹھا لیا۔ اور انہوں نے دیکھا۔ کہ وہ بدستور اُسی مجلس وعظ میں ہیں۔ اور حضور غوث اعظم بدستور وعظ فرما رہے ہیں۔ گویا منبر سے اُترے ہی نہیں۔ ابوالمعالی نے غور کیا۔ تو وضو کے پانی سے اعضاء تر تھے۔

حاجت بھی مرفوع تھی۔ مگر کنجیاں نہ ملیں۔ ایک مدت کے بعد وہ ایک قافلہ کے ہمراہ بلادِ عجم کی طرف نکلے۔ بغداد سے چودہ دن کے سفر کے بعد قافلہ اسی صحرا میں پہنچا۔ ابوالمعالی نے دیکھا۔ کہ وہی نہر ہے اور وہی درخت۔ اور درخت پر ان کی کنجیاں بھی لٹک رہی ہیں۔ قافلہ جب واپس آیا۔ تو ابوالمعالی حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تاکہ وہ سارا ماجرا کہہ سنائیں! مگر حضور غوث اعظم نے ان کا کان پکڑ کر فرمایا۔

"ابوالمعالی! میری زندگی میں اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔"

(نشر المحاسن للامام یافعی برحاشیہ جامع الکرامات للنبہانی صفحہ ۱۵)

سبق: اللہ کے مقبول بندوں بالخصوص حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی طاقتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور یہ پاک لوگ بڑے بڑے تصرفات کے مالک ہیں۔ اور یہ اللہ والوں کی کرامات ہیں۔ جو برحق ہیں۔ کرامات کا انکار اللہ کی دین وعطا اور اس کی بے پناہ قدرت کا انکار ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے مقبول بندے ایک وقت میں متعدد مقامات پر بھی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے تکالیف ومشکلات کے رفع وحل کی طاقت بخشی ہے۔ ہم اگر ان کی طرف قضائے حاجات کے لیے رجوع کریں۔ تو یہ ہرگز شرک نہیں ہے۔

حکایت نمبر ۲۸۰

قضیب کی حکایت

حضرت قضیب البان رحمۃ اللہ علیہ سے "قاضی موصل" دشمنی رکھتا تھا۔ اور اس کا ارادہ تھا۔ کہ وہ حاکمِ وقت سے ان کی کوئی شکایت کر کے انہیں شہر موصل سے نکلوا دے۔ "قاضیٔ موصل کا بیان ہے کہ میرے اس ارادہ کی اللہ کے سوا کسی کو خبر نہ تھی۔ ایک روز حضرت قضیب موصل کے ایک کوچے سے گزر رہے تھے۔ اور دوسری طرف سے "قاضیٔ موصل بھی آ رہے تھے۔ قاضیٔ موصل کہتے ہیں۔ کہ میں نے دل میں کہا کہ اگر اس وقت میرے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہوتا۔ تو میں اس سے کہتا۔ کہ اسے پکڑ کر حاکمِ وقت کے پاس لے چلو۔ "قاضیٔ موصل نے اتنا سوچا ہی تھا۔ کہ وہ کیا دیکھتا ہے۔ کہ حضرت قضیب نے ایک قدم اُٹھایا تو ایک کُردی کی شکل میں تھے۔ دُوسرا قدم اُٹھایا۔ تو ایک بدوی کی شکل میں تھے۔ پھر ایک قدم اٹھایا۔ تو ایک فقیہہ کی شکل میں نمودار ہُوئے۔ پھر آپ نے قاضیٔ موصل سے فرمایا۔ کہ قاضی صاحب! آپ نے چار صورتیں دیکھی ہیں۔ ان میں سے قضیب کونسا ہے؟ جس کو تم حاکمِ وقت سے کہہ کر نکلوانا چاہتے ہو؟ یہ سن کر قاضیٔ موصل

بے اختیار آپ کے ہاتھ چومنے لگا۔ اور ان کی دشمنی سے توبہ کی۔

(بہجۃ الاسرار صفحہ ۱۹۷)

سبق: اللہ کے مقبول بندے عام انسانوں کی مثل نہیں ہوتے۔ وہ بڑی بلند شان کے مالک ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے انہیں بڑے بڑے اختیارات و تصرفات عطا فرمائے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی نظر سے دل کے بھید بھی چھپے نہیں رہتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ والوں سے دشمنی کوئی نئی بات نہیں۔ یہ پہلے سے چلی آئی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس بری بات سے توبہ کر لیتے ہیں۔

حکایت نمبر ۲۹۷

حضرت ابو عبد اللہ محمد قرشی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو عبد اللہ محمد قرشی ایک بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ اور نابینا تھے۔ ان کے ایک مرید نے ایک مرتبہ اپنی لڑکی سے دریافت کیا۔ کہ آج گھر میں کیا پکے۔ تو لڑکی بولی۔ کہ آپ میری آرزو پوری نہ کر سکیں گے۔ باپ نے کہا ضرور کروں گا۔ تم کہو تو سہی۔ لڑکی بولی۔ تو میری آرزو ہے۔ کہ میرا نکاح ابو عبد اللہ محمد قرشی سے کر دیجئے۔ باپ حضرت قرشی کی خدمت

میں آیا۔ اور اپنی لڑکی کی آرزو کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ قاضی کو بلالاؤ۔ چنانچہ قاضی صاحب آگئے۔ جنہوں نے نکاح پڑھا دیا۔ اور باپ نے لڑکی کو آراستہ کرکے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر کردیا۔ جب عورتیں نکل گئیں۔ تو حضرت قرشی غسلخانے میں داخل ہوئے۔ اور نکلے۔ تو ایک بے ریش خوبصورت نوجوان تندرست آنکھوں والے عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ظاہر ہوگئے۔ لڑکی نے حیا کے مارے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا نہ کر میں ہی قرشی ہوں۔ وہ بولی کہ تو قرشی نہیں۔ آپ نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا۔ میں ہی قرشی ہوں۔ لڑکی نے پوچھا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو فرمایا۔ کہ میں تیرے ساتھ اس حال پر رہوں گا۔ اور غیروں کے سامنے اُس حالت پر نظر آؤں گا۔ لیکن میری زندگی میں اس معاملہ کی خبر کسی کو نہ دینا۔ لڑکی نے کہا۔ ایسا ہی کروں گی۔ (طبقات کبریٰ شعرانی صہ ۱۳۵ جز اوّل)

سبق: اللہ والے اپنی شانوں کو مخلوق کی نظروں سے چھپا کر رہتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے انہیں بڑے بڑے تصرفات پر قدرت عطا فرمائی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی اللہ کے مقبول کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اُسے کبھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ "رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ" حدیث پاک کے مطابق بعض سادہ اور دنیوی جاہ و جلال سے خالی مردانِ حق حقیقت میں بہت پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اچھی اور نیک عورتیں ہمیشہ دین اور تقوی کو پسند کرتی ہیں۔

اور اپنا شوہر ایسا چاہتی ہیں۔ جو خدا کے احکام کا پابند اور شریعت پر چلنے والا ہے۔

حکایت نمبر ۳۰

سچا مسلمان

ایک تاجر کا انتقال ہو گیا۔ اس نے بہت سی دولت اپنے پیچھے چھوڑی۔ اس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ جو اس کا وارث تھا۔ مگر وہ مدت سے مفقود الخبر تھا۔ اور اس کا کوئی پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اور اسی وجہ سے کسی کی شکل و صورت بھی یاد نہ رہی تھی۔ کچھ مدت کے بعد تین لڑکوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہی مرحوم تاجر کے بیٹے ہیں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ تاجر کا لڑکا میں ہوں۔ یہ تینوں قاضی کے پاس آئے۔ اور اپنا دعویٰ پیش کیا۔ قاضی نے مرحوم تاجر کی ایک تصویر منگوائی۔ اور کہا۔ کہ جو لڑکا اس تصویر پر بندوق کا ٹھیک نشانہ لگائے گا۔ وہی وارث ہوگا۔ تینوں میں سے دو لڑکے تو نشانہ لگانے کو تیار ہو گئے۔ مگر تیسرا پریشان ہو گیا۔ چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور بولا کہ ناممکن ہے۔ کہ میں اپنے باپ کی تصویر کو نشانہ بناؤں۔ مجھے پروا نہیں۔ مجھے کچھ ملے یا نہ ملے۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ قاضی نے

فیصلہ دے دیا۔ کہ اپنے باپ کا حقیقی بیٹا یہی ہے۔ اور یہی میراث کا حقدار ہے۔ (حکایات و روایات صہ ۲۵۰)

سبق: مسلمان ہونے کے مدعی تو سب ہیں۔ مگر جو لوگ اسلام کو اپنا تختہ مشق نہیں بناتے۔ اور اس پر الحاد و زندقہ کے تیر نہیں برساتے۔ اصل میں وہی سچے مسلمان اور جنت کے جائز وارث ہیں۔

حکایت نمبر ۱۳۱

پناہ

بادشاہ بہرام ایک مرتبہ شکار کے لیے نکلا۔ اور ایک ہرن کو دیکھ کر اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ ہرن جان بچانے کے لیے ادھر اُدھر بھاگا۔ اور یہ بھی اس کا تعاقب کرنے لگا۔ ہرن پر اس دوڑ دھوپ سے پیاس کا غلبہ ہوا۔ اور وہ بے طاقتی سے ایک اعرابی کے خیمہ میں گھس گیا جس کا نام قبیصہ تھا۔ اُس نے اُسے پکڑ کر رسی سے باندھ دیا۔ بہرام بھی خیمہ تک پہنچ گیا۔ اور قبیصہ سے کہا۔ کہ اے اعرابی! میرا شکار تیرے خیمہ میں ہے۔ اسے باہر نکال دو۔ قبیصہ نے نہ پہچانا کہ یہ کون ہے اور جواب دیا۔ کہ اے خوبصورت سوار! کہ

یہ بات مروّت سے بعید ہے کہ جس جانور نے میری پناہ لی ہے۔ میں اُسے کسی کے حوالے کر دوں۔ تاکہ وہ اسے مار ڈالے۔ بہرام نے سختی شروع کی۔ قبیصہ نے کہا۔ جھگڑا نہ بڑھا۔ جب تک تو اپنے تیر سے میرا سینہ چھید نہ دے گا۔ اور مجھے قتل نہ کر دے گا۔ تیرا ہاتھ اس ہرن کی گردن تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور جب تو مجھے قتل کر دے گا۔ تو بھی میرے قبیلے والے ہرن تیرے حوالے نہیں کریں گے۔ اپنی جان پر رحم کر۔ اور ہرن کا خیال چھوڑ دے۔ ہاں ہرن کے عوض اگر تو میرا تازی گھوڑا جو خیمہ کے دروازے پر بندھا ہے۔ زین و لگام مطلاّ سمیت لینا پسند کرے۔ تو اسے لے جا۔ مگر ہرن جو میری پناہ میں آچکا ہے۔ وہ میں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ بہرام کو یہ حمایت بڑی پسند آئی۔ اور باگ موڑ کر واپس چلا گیا۔ (اخلاق محسنی تعلیم الاخلاق صہ ۲۲۴)

سبق: کسی بے یار و مددگار مظلوم کی مدد و حمایت کرنا بہت بڑی جوانمردی ہے۔ اور اگر کوئی جانور بھی کسی کی پناہ میں آجائے۔ تو جوانمردی و انسانیت یہ ہے۔ کہ اس کی مدد کی جائے۔

حکایت نمبر ۳۲۰
لطف و نرمی

ایک بادشاہ بڑا نرم مزاج اور لطف خو تھا۔ ایک دن شاہی باورچی

کو ایک خاص کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب وہ پکا کر دوسرے کھانوں کے ساتھ لایا۔ اور بادشاہ کے آگے دستر خوان پہ رکھا۔ تو بادشاہ نے پہلے اپنے فرمائشی کھانے پر نظر ڈالی۔ تو اس میں مکھی نظر آئی۔ اسے نکال کر دور کیا۔ دوسرے لقمہ میں بھی ایک مکھی دیکھی۔ تو اس کھانے سے ہاتھ کھینچ کر دوسرا کھانا نوش جان کیا۔ جب کھا چکا۔ تو باورچی کو بلایا۔ اور کہا۔ کہ تو نے جو کھانا پکایا۔ بہت لذیذ تھا۔ کل بھی وہی تیار کرنا۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ اس میں مکھیاں نہ ڈالنا۔ حاضرین اس کلام پہ بڑے متعجب ہوئے، کہ بادشاہ نے کیسے نرم و لطف طریق سے باورچی کو شرمندہ کیا اور ادب سکھایا ہے۔ (تعلیم الاخلاق صہ ۲۸۷)

سبق: لطف و نرمی سے اگر کام لیا جائے۔ تو وہ تلوار و نیزے سے بھی زیادہ کاٹ کرتی ہے۔ مگر جو موقعہ سختی کا ہو۔ وہاں سختی ہی کام دیتی ہے۔ مثلاً غداروں اور سرکشوں کا سامنا ہو۔ تو پھر اَلْحَدِیْدُ یَنْقَطِعُ بِالْحَدِیْدِ" لوہا لوہے سے کاٹا جاتا ہے" کے مطابق سختی ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔

حکایت نمبر ۲۳۳

سبکتگین بادشاہ

سبکتگین ایک غلام تھا۔ اور اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔

اس پر چڑھ کر وہ جنگل میں جایا کرتا تھا۔ اور اگر کوئی شکار ہاتھ آجاتا۔ تو اُسی پر گزارا کرلیتا۔ ایک دفعہ اس نے ایک ہرنی دیکھی۔ جو اپنے بچے کے ساتھ چر رہی تھی۔ سبکتگین نے اُس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ ہرنی تو بچ ہی جا نہ سکی۔ مگر اس کا بچہ جو ماں کے ساتھ بھاگ نہ سکا۔ ہاتھ آگیا سبکتگین نے اُسے باندھ کر زین کے آگے رکھ لیا۔ اور شہر کی جانب چل پڑا۔ ہرنی بچے کو دیکھ کر مُڑی اور سبکتگین کے پیچھے دوڑنے لگی۔ اور فریاد کرنے لگی۔ اُسے اس کی حالت پر رحم آیا۔ اور بچے کو کھول کر چھوڑ دیا۔ ہرنی نے دوڑ کر بچے کو لے لیا۔ اور آسمان کی طرف منہ کر کے دُعائیں دینے لگی۔

بے زبانوں کی زبانیں جاننے والے خدا تعالیٰ کو سبکتگین کا یہ رحمدلانہ کام پسند آیا۔ رات اُسے خواب میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو نے جو ایک بے زبان پر رحم کیا ہے۔ اس پر ہم بہت خوش ہوئے ہیں۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ تجھے بادشاہی عطا فرمائے گا۔ اور یاد رکھنا۔ جس طرح تو نے اس جانور پر رحم کیا ہے۔ اسی طرح اپنی رعیت پر بھی نظرِ کرم کیا کرنا۔ اور ظلم و ستم نہ کرنا۔

(تعلیم الاخلاق ص ۴۸۹)

سبق: اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر رحم کرنا بڑا پسند ہے۔ اسی لیے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ایک جانور پر رحم کرنے سے اللہ تعالیٰ

اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جب اس قدر خوش ہوتے ہیں۔ تو کسی انسان پر ظلم کرنے سے وہ کیوں ناراض نہ ہوتے ہوں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جسے حکومت عطا فرمائی ہو۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان ہو جیسے باپ اولاد پر ہوتا ہے۔

حکایت نمبر ۲۴۳

سخاوت

ایک روز ایک شخص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ میں کثرتِ عیال کے باعث بے حد تنگی اور افلاس میں ہوں۔ یہاں تک کہ آج رات کے کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں۔ حضرت امام عالی مقام نے اُسے اپنے پاس ٹھہرایا۔ اتنے میں پانچ توڑے دیناروں کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے وہ پانچوں توڑے اُس فقیر کو عنایت فرما دیئے۔ اور عذر بھی فرمایا۔ کہ تجھے جو تھوڑی بہت انتظار کرنا پڑی۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔ (تحفہ رحیمی بحوالہ کشف المحجوب ص۹)

سبق: خدا تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے متعلق فرمایا ہے

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ یعنی وہ اپنا مال دوسروں کو دے دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود حاجتمند ہوں۔" حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کے صحیح مصداق تھے۔ اور اللہ کے نیک بندے ایسا ہی کرتے ہیں۔ سائل کا سوال پورا کرتے ہیں۔ اور اس کی امید سے بھی زیادہ اُسے دیتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مقبولانِ خدا کے دروازے سے حاجتمند کبھی خالی نہیں لوٹتے۔

حکایت نمبر ۳۵

کالا سانپ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے لوگوں نے شکایت کی۔ کہ یا نبی اللہ! اس گاؤں میں ایک دھوبی ہے۔ جو کپڑے چراتا ہے۔ اور بدل دیتا ہے اس وجہ سے ہم اُس سے بہت عاجز آگئے ہیں۔ اور اس کے ہاتھوں بڑی تکلیف میں ہیں۔ آج وہ کپڑے دھونے گیا ہے۔ آپ اس کے لیے دُعا کریں۔ کہ وہ وہیں غارت ہو جائے۔ اور پھر کے نہ آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی درخواست قبول کرلی۔

اور دعا کی کہ الٰہی! اس خائن کو وہیں ہلاک کر دے۔ اتفاقاً وہ دھوبی اپنے ساتھ روٹی پکا کر لے گیا تھا۔ ناگاہ وہاں ایک فقیر کا گزر ہوا۔ اور وہ بہت بھوکا تھا۔ فقیر نے دھوبی سے سوال کیا۔ دھوبی نے اسے ایک روٹی دے دی۔ فقیر نے اسے دعا دی۔ کہ جیسے تو لوگوں کے کپڑوں کو صاف کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ تیرے دل کو پاک وصاف کرے۔ دھوبی نے ایک روٹی اور دے دی۔ وہ فقیر بولا۔ الٰہی! اسے ہر بلا سے محفوظ رکھو۔

پھر وہ دھوبی شام کو بخیریت گھر واپس آیا۔ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ یا حضرت! یہ کیسی بددعا تھی آپ کی۔ کہ دھوبی خیریت سے واپس آ گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دھوبی کو بلا کر پوچھا۔ کہ آج تو نے کونسا نیک عمل کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ میں نے راہ خدا میں دو روٹیاں ایک بھوکے محتاج کو دی ہیں۔ اس نے مجھے دعا دی اور چلا گیا۔ اتنے میں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔ کہ اے میرے نبی! اس دھوبی کی گٹھڑی کھلوا کر دیکھ۔ چنانچہ حضرت علیہ السلام نے اس کی گٹھڑی کھلوا کر دیکھی۔ تو اس میں سے ایک کالا سانپ نکلا۔ جس کے منہ پر مہر لگی ہوئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ اے مار خونخوار! اگر حق تعالیٰ نے تجھے اس دھوبی کے ہلاک کرنے

کے لیے بھیجا ہے۔ تو تو نے کیوں اسے چھوڑ دیا۔ سانپ نے عرض کی۔ کہ اے اللہ کے نبی! میں نے چاہا۔ کہ اسے ڈسوں مگر اس نے جو دو روٹیاں راہ خدا میں صدقہ کی تھیں۔ ان کی برکت سے فرشتوں نے میرے منہ پہ مہر لگا دی۔ تاکہ میں اسے ڈس نہ سکوں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے یہ سن کر اس دھوبی سے فرمایا۔ کہ اے اللہ کے بندے! خدا نے تیرے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ اب آئندہ کے لیے تو ہر گناہ سے بچتے رہنا۔ خدا نے تجھے اس صدقہ وخیرات کے صدقے سے بچا لیا ہے۔ (تحفہ رحیمی صـ۲۲)

سبق: اللہ کی راہ میں کچھ دینا اور صدقہ وخیرات کرنا بڑی بڑی بلاؤں سے بچا لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب وجلال کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ پس ہمیں محتاجوں۔ فقیروں کی اعانت کرنا چاہیئے۔ اور بخل وامساک سے بچنا چاہیئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ تیجہ۔ دسواں۔ چالیسواں اور گیارہویں شریف وغیرہ تقریبات بڑی اچھی چیزیں ہیں کہ اس طرح کچھ نہ کچھ اللہ کے نام پر خرچ ہوتا رہتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ان مدوں سے روکنا اللہ کے غضب وجلال کو اپنانے کے مترادف ہے۔

حکایت نمبر ۳۶

درُودِ شریف

ابو موسیٰ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک جماعت کے ساتھ ایک کشتی پر سوار تھا۔ کہ یکایک بادِ مخالف شروع ہوئی۔ اور اس نے طوفان کی صورت اختیار کرلی۔ اہل کشتی سب حیران ہو گئے۔ اور سب نے یقین کرلیا۔ کہ اب بچنا مشکل ہے، مایوسی حد سے بڑھ گئی۔ تو سب رونے لگے۔ اور توبہ و استغفار کرنے لگے۔ ایسے نازک وقت میں مجھ پہ غنودگی طاری ہوئی۔ تو میں نے عالم استغراق میں دیکھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ اے ابو موسیٰ! کشتی والوں سے کہہ دو۔ کہ وہ درُود تُنَجِّینا پڑھیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھ کو یہ درود شریف یاد نہیں۔ فرمایا۔ لو میں پڑھتا ہوں۔ تم یاد کرلو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف اپنی زبانِ انور سے پڑھا۔ اور حضور ہی کے اعجاز سے مجھے وہ یاد بھی ہوگیا۔ یکایک میری آنکھ کھل گئی۔ تو وہی درُود میری زبان پر جاری تھا۔ میں نے سب کشتی والوں سے کہا۔ کہ لو یہ درُود شریف پڑھو۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لاکر پڑھنے کو فرما گئے ہیں۔ چنانچہ ہم سب نے وہ درُود شریف

پڑھنا شروع کیا۔ تو طوفان تھم گیا۔ اور ہم سب بچ گئے۔ وہ درُود شریف یہ ہے:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَ الْاٰفَاتِ وَ تَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَ تُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّاٰتِ وَ تَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَ تُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؕ

(تحفہ رحیمی بحوالہ فجر منیر صہ ۴۶)

سبق: درود شریف بہت بڑی اللہ کی نعمت ہے۔ اس کے پڑھنے سے بڑی بڑی مشکلیں ٹل جاتی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ درُود شریف کوئی سا بھی پڑھیئے۔ موجب اجر و ثواب ہے۔ کسی مخصوص درود شریف ہی کو پڑھنا اور دوسرے صیغوں اور لفظوں سے درود شریف کے پڑھنے کو بدعت بتانا بہت بڑی زیادتی ہے۔ نماز کے اندر جس درود شریف کی تخصیص شرع میں وارد ہے۔ وہ درود شریف نماز ہی کے لیے مخصوص ہے۔ اور بیرونِ نماز کسی بھی صیغے سے درود شریف پڑھیئے جائز اور موجب ثواب ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم مشکل کے وقت اپنے غلاموں کی مدد فرماتے

ہیں۔ اور اپنے غلاموں کے پاس کرم فرما کر خود بھی تشریف لے آتے ہیں۔

فَصَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ قَدْرَ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ

حکایت نمبر ۳۰۷

پاکباز ماں

حضرت شیخ نظام الدین ابو المؤید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ دہلی کے لوگ حاضر ہوئے۔ اور عرض کی حضور! دہلی میں کئی روز سے بارش نہیں ہوئی۔ لوگ بڑے پریشان ہیں۔ دعا کیجئے۔ بارش ہو۔ حضرت نظام الدین منبر پر چڑھے اور اپنی والدہ کے دامن کا ایک پرانا کپڑا بغل سے نکال کر اپنے ہاتھ پر رکھ کر یوں دعا مانگی۔ الٰہی! بحرمت اس کپڑے کے جو دامن ایک ضعیفہ کا ہے جس پر ہرگز کسی نامحرم کی نظر نہیں پڑی۔ تو مینہ برسا دے۔ قدرت الٰہی سے اسی وقت بادل نمودار ہوئے۔ اور بارش ہونے لگی۔ (تحفہ رحیمیہ صہ ۱۹۰)

سبق: مشکل کے وقت اللہ کے نیک بندوں کے پاس جا کر طالب دعا ہونے سے مشکل حل ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کے نیک بندوں سے تھوڑی بہت نسبت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی پسندیدہ ہوتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا ۔ کہ جو مائیں پاکباز عفت مآب اور خدا یاد ہوں ۔ ان کی اولاد بھی نیک ہوتی ہے ۔ اور جو مائیں خود ہی غیر محرموں میں آزادانہ پھرنے والی ہوں ۔ ان کی اولاد بھی "ٹیڈی لوائز" قسم کی ہی ہوتی ہے ۔

حکایت نمبر ۳۸،

"جلال فقیر"

ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ اجمیر میں خواجہ غریب نواز کی خدمت میں حاضر تھے ۔ ان دنوں پتھورا (پرتھوی راج) زندہ تھا ۔ اور کہا کرتا تھا کہ کیا ہی اچھا ہو ۔ جو یہ فقیر یہاں سے چلا جائے ۔ ہوتے ہوتے یہ خبر حضرت خواجہ کے گوش اقدس تک بھی پہنچ گئی ۔ حضرت خواجہ اس وقت عالم سُکر میں تھے ۔ فوراً آپ نے مراقبہ کیا ۔ اور مراقبہ ہی میں آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے ۔

"کہ ہم نے رائے پتھورا کو زندہ ہی مسلمانوں کے حوالے کیا ۔"

تھوڑے سے عرصہ بعد سلطان شمس الدین محمد غوری کا لشکر چڑھ آیا ۔ اور شہر کو لوٹ مار کرنے کے بعد پتھورا کو زندہ پکڑ کر لے گیا ۔

• معلوم ہوا ۔ کہ درویش ایک پیالے میں آگ رکھتے ہیں اور ایک پیالے

میں پانی ــــ یعنی وہ فائدہ بھی پہنچا سکتے ہیں اور نقصان بھی"

(شورش کاشمیری کا اخبار چٹان ۱۰ دسمبر ۱۹۶۳ء)

سبق : اللہ کے مقبول بندے بہت بڑے اختیارات کے مالک ہوتے ہیں۔ اور خود شورش کاشمیری کا اخبار بھی یہ اعلان کر رہا ہے۔ کہ

" درویش ایک پیالے میں آگ رکھتے ہیں۔ اور ایک پیالے میں پانی۔ یعنی وہ فائدہ بھی پہنچا سکتے ہیں۔ اور نقصان بھی"۔

پھر جو ان سب کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کا منکر ہو۔ اور یوں کہے کہ جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ وہ کیوں گمراہ نہ ہوگا۔

حکایت نمبر ۳۹

کلامِ حق

ایران کے ایک شہزادہ نے ایک مصرعہ کہا۔ کہ ؎

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود

یعنی ایسا موتی جو کچھ سیاہ اور کچھ سفید ہو۔ کسی نے کم دیکھا ہوگا۔ مطلب یہ کہ ایسا " دو رنگا " موتی کہیں موجود نہیں۔

اس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ موزوں نہ ہو سکا۔ اس نے کئی شعراء سے

کہا۔ مگر کسی سے اس مصرعہ پہ مصرعہ نہ کہا جا سکا۔ آخر اُس نے دہلی کے بادشاہ کو لکھا۔ کہ اس مصرعہ کا دوسرا مصرعہ موزوں کرا کے بھیج دیجئے۔ دہلی کے شعراء بھی موزوں نہ کر سکے۔ مگر زیب النساء ایک دن سرمہ لگا رہی تھی اتفاقاً آنسو ٹپک پڑے۔ تو دُوسرا مصرعہ آنسو دیکھ کر موزوں کر دیا کہ ؎

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود

مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود

یعنی کچھ سیاہ کچھ سفید رنگ کا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا۔ مگر ہاں! محبوب کی سرمگین آنکھ سے ٹپکا ہُوا آنسو ایک ایسا موتی ہے جس میں یہ دونوں رنگ نظر آتے ہیں۔

بادشاہ نے یہ شعر ایران بھیجدیا۔ وہاں سے خط آیا۔ کہ اس شاعر کو یہاں بھیجدو۔ اس کے جواب میں زیب النساء نے یہ لکھا۔ کہ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

پھول کی خوشبو پھول کے پتے میں مخفی ہے۔ اسی طرح میں اپنے کلام کے اندر مخفی ہوں۔ جسے میرے دیکھنے کی تمنا ہو۔ وہ میرا کلام پڑھ لے۔

(یادِ ماضی صـ ۲۹)

سبق: زیب النساء جو اللہ کی ایک مخلوق ہے۔ جب اُسے کوئی غیر آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ تو اللہ تعالیٰ جو خالقِ کل ہے۔ اُسے کون دیکھ سکتا ہے؟

اور جس طرح زیب النسا ر کے دیدار کے تمنائی کو یہ کہا گیا۔ کہ اُسے دیکھنے کے لیے اُس کا کلام پڑھو۔ بلا تشبیہہ دیدارِ حق کے تمنائی کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ اس کا کلام پاک قرآن مجید پڑھے۔ اس لیے کہ اس کلامِ حق میں حق کے جلوے موجود ہیں ؎

چیست قرآن اے کلامِ حق شناس
رونمائے ربِّ ناس آمد بہ ناس

حکایت نمبر ۱۴۰

شاعری

ایک شخص شاعر تھا۔ لوگ اس کے شعر سُن سُن کر واہ وا کیا کرتے تھے اور کبھی کوئی یوں کہتا۔ کہ یہ شعر تو آپ کا ہزار روپے کا ہے۔ اور کبھی کوئی یوں کہتا۔ کہ یہ شعر تو آپ کا دو ہزار کا ہے۔ وہ شاعر خوش ہو کر اسے لکھ لیتا۔ ایک مرتبہ اس کی ماں نے کہا۔ کہ تو بیکار کام کرتا ہے۔ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس میں کچھ آمدنی ہو۔ اس نے کہا۔ میں بیکار کب ہوں۔ مجھ کو تو بڑی آمدنی ہوتی ہے۔ کسی روز ہزار کی اور کسی روز دو ہزار کی ہو جاتی ہے۔ ماں نے کہا اچھا ایک آنے کی سبزی لا دو۔ شاعر صاحب اپنے

اشعار کی کاپی لے کر بازار گئے۔ اور دکاندار سے کہا۔ کہ ایک آنے کی سبزی دے دو۔ اس نے سبزی دی۔ تو اس نے کاپی سے ایک شعر نکال کر کہا لو یہ دس روپے کا شعر ہے۔ دکاندار نے کہا۔ جناب! ایسا دس روپے کا شعر۔ آپ یہ اپنے پاس ہی رکھیئے۔ مجھے تو ایک آنہ دیجئے۔ اب آپ بہت گھبرا گئے۔ کہ میں اپنے ان شعروں کو یونہی قیمتی سمجھتا رہا۔ یہاں تو ان کی کچھ بھی قیمت نہیں ہے۔ فوراً استاد کے پاس آئے۔ اور کہا۔ کہ واہ حضرت وا! معلوم ہوگئی۔ آپ کی سکھائی ہوئی شاعری کی قدر و قیمت مفت میں میری عمر ضائع کی۔

سبق: یہ دنیوی مدارج و عروج محض جی خوش کر لینے کی باتیں ہیں اور کل قیامت کے بازار میں ان کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔ وہاں تو ایمان و تقویٰ ہی کا سکہ چلے گا۔

حکایت نمبر ۱۴۱

بزرگوں کا تصرف

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ شاہ عبدالرزاق جھنجانوی کے صاحبزادے کو کیمیا کا شوق

تھا۔ ایک دفعہ شاہ صاحب استنجا فرما رہے تھے۔ اور یہ صاحبزادے کچھ دوائیں کیمیا کی لیے ہوئے کھڑے تھے۔ بعد فراغ ڈھیلا پتھر پہ مارا۔ وہ پتھر سونے کا ہو گیا۔ ایک سنار اس میں سے کچھ کاٹ کر لے گیا۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ بھائی اگر اس کو کوئی اٹھا کر لے گیا۔ تو نمازیوں کو تکلیف ہو جائے گی۔ پھر دعا کی وہ پتھر ہو گیا۔

(مولوی اشرف علی صاحب کے ملفوظات حسن العزیز صہ ۹۴)

سبق : یہ تصرف و اختیار ہے اولیاء کرام کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ پھر حضور کے اپنے تصرف و اختیار کی کیا شان ہو گی۔ باوجود اس کے پھر بھی اگر کوئی شخص یوں کہنے لگے۔ یا لکھ دے کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" تو وہ کتنا بڑا بے خبر اور گمراہ ہے۔

حکایت نمبر ۲۴۷

نرمی و سختی

(منظوم حکایت ترجمہ مثنوی شریف)

زیب تن کر کے لباس فاخرہ — پھر رہا تھا اک شخص اتراتا ہوا

دیکھکر اس کو ہوا اور آفتاب — دونوں یوں کہنے لگے باہم خطاب

دیکھیں تو ہے کونسا ہم میں قوی
اس بشر کو جو کرے ننگا ابھی!

یہ کہا سن کے ہوا نے مشفقا
میں ابھی دیتی ہوں لو تجھ کو دکھا

بن کے جھکڑ زور سے چلنے لگی
پگڑی و ٹوپی نہ چھوڑی ایک کی

پیپل اور شیشم گئے جڑ سے اکھڑ
بڑ نے اور کیکر نے بھی دی چھوڑ جڑ

چھپر اور کھپریل جو مضبوط تھے
مثل کاغذ ہر طرف اڑنے لگے

جس قدر اپنا دکھاتی تھی وہ زور
کپڑوں کو کرتا تھا وہ قابو بزور

زور اپنا کل لگا کر تھک گئی
پر نہ ننگا اس کو ہرگز کر سکی

پھر کہا سورج نے بس آپا سنبھال
ہم بھی اب اپنا دکھاتے ہیں کمال

گرم تدریجاً ہوا پھر آفتاب
ہو گئے کپڑے بدن پر سب عذاب

رونگٹوں سے عرق تھا فوارہ زن
عرق میں تھے غرق سارے مرد و زن

اس بشر نے بھی دیا ننگا اتار
باندھ کے لنگی الگ پھینکی ازار

سبق

خلق اور نرمی سے ہے مطلب نکال
تو بے موقع دکھا اپنا جلال

تیزی اور سختی سے اکثر نوجوان
اپنے ہاتھوں اپنا کرتے ہیں زیاں

(درِ منظوم صہ ۹۹)

حکایت نمبر ۱۴۳

شراب

ایک بادشاہ کی مجلس میں ایک غریب مگر دانا شخص حاضر ہوا۔ تو اُسے صفِ آخر میں جگہ ملی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک علمی گفتگو میں وہ شخص بولا۔ تو اس کی قابلیت دیکھ کر بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اور اُسے اپنے قریب بلا کر اپنے پاس بٹھالیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجلس میں شراب لائی گئی۔ اور اس دانا شخص کے سامنے بھی رکھی گئی۔ اس نے بادشاہ سے عرض کی کہ مجھے اس سے معاف رکھا جائے۔ تاکہ جس عقل دانش کے طفیل مجھے قربِ سلطانی حاصل ہُوا ہے۔ وہ زائل نہ ہو جائے۔ شراب پی لی۔ تو مجھ سے بے ادبی کے لفظ صادر ہوں گے۔ اور ذلیل وخوار ہو جاؤں گا۔ بادشاہ اس کی اس بات سے بڑا خوش ہوا۔ اور اسے انعام واکرام سے نوازا۔

(تعلیم الاخلاق صہ ۱۶۵)

سبق:۔ شراب پینے سے آدمی ذلیل وخوار ہو جاتا ہے اس سے بچنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۱۴۷

شیر شاہ سُوری

دربار، عوام وخواص اور فوجی جان نثار سپاہیوں سے پٹا پڑا ہے۔ نقیب کی پُر جلال آواز اور چاوش کی للکار سے دِلوں پر ہیبت طاری ہے۔ آداب، سلام نیاز، بادشاہ سلامت تسلیمات، خداوند آداب حضوصی بجالاؤ۔ کورنش، بندگی، نظر، روبرو ظلِ سبحانی، شہنشاہ ذی جاہ، جہاں پناہ، سلطان معظم، کی ملی جلی آوازوں سے دربارِ سُوری گونج رہا ہے۔ مسندِ خاص پر شاہی پوشاک میں ملبوس شیر شاہ سوری جلوہ افروز ہیں۔ دائیں بائیں مشیرانِ سلطنت اور اربابِ حکومت، جاگیردار، راجے مہاراجے ادب سے گردن جھکائے صف بستہ کھڑے ہیں۔ مظلوموں کی دادرسی اور ظالموں کی بیخ کنی کے فرمان جاری ہو رہے ہیں اسی دوران میں چوبدار ایک پریشان حال ہندو بنیے کو شیر شاہ کے حضور میں پیش کرتا ہے۔ جو سراسیمگی کے عالم میں دو زانوں ہو کر کانپنے لگتا ہے۔

شیر شاہ:۔ "مابدولت سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

بنیا:۔ ماتا پتا (اور یہ کہہ کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پان کا ایک

بیڑا شیر شاہ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے)

شیر شاہ:۔ ٹھیک ہے۔ بادشاہ رعایا کا ماتا پتا ہی ہوتا ہے مگر یہ بیڑا کیا ہے۔ اور اس کے پیش کرنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟

بنیا:۔ (ہکلاتے ہوئے) "مائی باپ عزت کا معاملہ ہے اور عزت سب کو پیاری ہوتی ہے۔"

شیر شاہ:۔ "کیوں! کیا کسی ظالم نے تمہاری عزت پر حملہ کیا۔ بتاؤ! ــــ کون ہے وہ مردود ــــ؟"

بنیا:۔ "حضور! ــــ نام نہ ہی پوچھیں تو اچھا ہے۔"

شیر شاہ:۔ "پرواہ نہیں! شیر شاہ کی نظر میں ارا کین سلطنت سے لے کر معمولی خدام تک سب برابر ہیں۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ تو مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ بولو! کیا نام ہے اس ملعون کا جس نے تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالا۔"

بنیا:۔ (مرتعش آواز میں) حضور! غلام کا ملزم..... شہزادہ عادل ہے۔"

شیر شاہ:۔ "عادل! ــــ کیا کیا عادل نے۔؟"

بنیا ــــ خداوند ــــ! میری بیوی اپنے مکان کی چھت پہ نہا رہی تھی۔ کہ اتفاق سے شہزادہ عادل کی سواری اس طرف سے گزری۔ ہاتھی پر سوار شہزادے کی نظر جب مکان پہ پڑی تو حضور کی لونڈی پر پان کا یہ بیڑا پھینک مارا ــــ مہاراج وہ شرم و غیرت کی ماری، جب سے

رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔ قسم بھگوان کی، بھوک پیاس کے مارے اس کی حالت اس قدر غیر ہو گئی ہے۔ کہ مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ آخر مجبور ہو کر آپ کے پاس فریاد لے کر آیا ہوں۔

شہنشاہ :- (غیض کے عالم میں) "عادل کو پا بجولاں حاضر کیا جائے۔"

(سپہ سالار اعظم، شہزادہ عادل کو حاضر دربار کرتے ہیں)

شہنشاہ —— عادل! تجھے اس وقت حاضر دربار ہونے کی وجہ معلوم ہے؟ —— اگر نہیں تو سن لے،

تجھے اس لیے طلب کیا گیا ہے۔ کہ تیری زبان سے اپنی محبوب رعایا کی بے حرمتی کا واقعہ سنوں۔

" عادل! تو اس وقت شہنشاہ کا فرزند نہیں۔ بلکہ قوم و ملت کا مجرم ہے۔ قبل اس کے کہ ما بدولت تجھ کو عبرتناک سزا دیں۔ بول! عذر میں کیا پیش کرنا چاہتا ہے؟"

عادل —— (سراسیمگی کے عالم میں) عالم پناہ! یہ غلام کسی ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہوا ہے جس سے دامنِ شاہی آلودہ ہو۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ مدعی مستغیث کی اہلیہ اپنے مکان کی چھت پر آزادانہ طور پر غسل کر رہی تھی۔ کہ میرا اس طرف سے گزر ہوا۔ اس کو برہنگی کا احساس دلانے کے لیے، تاکہ آئندہ ایسی بے احتیاطی، اور لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرے۔ میں نے پان کا بیڑا اس پر پھینک دیا۔ ورنہ خدا شاہد ہے۔ کہ بندہ کی نیت

ہرگز ہرگز بری نہ تھی۔"!

شیر شاہ:۔ عادل! تیرا یہ بیان خواہ کتنا ہی درست کیوں نہ ہو۔ لیکن اس سے مستغیث کی تسلی نہیں ہوتی۔ تو مجرم ہے۔ خائن ہے۔ ظالم ہے۔ تجھے سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ (نزاکت حالات کا اندازہ کرکے وزیر اعظم شہزادے کی سفارش میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر شیر شاہ غیض و غضب کے عالم میں یہ کہہ کر اس کو خاموش کر دیتا ہے۔

شیر شاہ:۔ (ہیبت ناک آواز میں) "ہم اس وقت کچھ سننے کے لیے تیار نہیں۔ قرآن حکیم میں کہا گیا ہے۔ کہ جو بات کرو انصاف کی رو سے کرو۔ خواہ اس سے اپنے کسی قرابت دار کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچتا ہو۔"

عادل:۔ "عظمت مآب! غلام اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے۔ عفو کا طالب ہے۔ آئندہ ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہوگا۔"

شیر شاہ:۔ (غصہ سے کانپتے ہوئے) کیا کہا۔ تجھے معاف کر دوں۔ آج تو نے یہ جرأت کی ہے۔ کہ دوسرے کی بہو پر بیڑا پھینکا ہے۔ کل تو اتنا دلیر ہوگا۔ کہ ان کے پلنگ اٹھوا کر اپنے ہودج میں رکھ لے گا۔ اور پھر تیری دیکھا دیکھی دوسرے امراء اور نواب اس سے زیادہ بیباکیوں کا مظاہرہ کریں گے۔ اور اس طرح آخرت میں تو مجھے روسیاہ کرے گا۔ کیا خلاق دوعالم نے تجھے ہاتھی کی سواری اس لیے عطا کی ہے۔ کہ تو ہاتھی

پر سوار ہو کر غریبوں کے کچے مکانوں کے پاس سے گزرے اور ان کی بہو بیٹیوں کی بے پردگی کرے۔ اور ان کے ناموس پر حملہ کرے۔ نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ تجھے سزا ضرور ملے گی۔ بے عزتی کا بدلہ بے عزتی ہی سے لیا جائے گا۔ شیر شاہی انصاف کہتا ہے کہ تو اپنی بیوی کو بنیے کے مکان پر بھیج اور اس بنیے کو کہہ دے کہ وہ بھی اسی طرح اس کے صحن میں غسل کرے۔ ہم بنیے کو ہاتھی پر سوار کر کے بھیجتے ہیں۔ جب تک وہ تیری بیوی پر اسی طرح بیڑا نہ پھینک لے گا۔ شیر شاہی انصاف کی تشنگی رفع نہ ہو گی۔!"

عادل!:- (آبدیدہ ہو کر) خداوند نعمت۔ اگر عادل کی بے حرمتی کا تماشا دیکھنا مقصود ہو۔ تو غلام حاضر ہے۔ اس کی بے عزتی سے اگر حضور کا منشائے دلی پورا ہو سکتا ہے۔ تو بھرے دربار میں اس کے دُرّے اڑوا کر اپنی آتشِ غضب فرو فرما لیں۔ مگر عالم پناہ! عادل کی بیوی بھی رعایا کے محبوب بادشاہ کی کچھ لگتی ہے۔ وہ عفیفہ اس معاملہ میں بالکل بے گناہ ہے۔ اُسے بے آبرو نہ کیا جائے۔

شیر شاہ:- اپنی عزت کا اتنا پاس ہے۔ میں بادشاہ ہوں۔ اور ماسوائے ذاتِ باری میرے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ تو کہتا ہے کہ عادل کی بیوی بھی ہماری کچھ لگتی ہے۔ نہیں شیر شاہ کی نظر میں معمولی بنیا ہو یا شہزادہ عادل۔ دونوں کی بیویاں برابر ہیں۔

اگر بنیے کی بیوی کی بے عزتی کرتے ہوئے عادل کو شرم نہ آئی۔ تو شیر شاہ بھی اپنی بہو کی بے عزتی برداشت کر سکتا ہے۔ جاؤ اور حکم کی تعمیل کرو۔"

(سارے دربار میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ عادل کی متغیر حالت دیکھ کر اہل دربار دل ہی دل میں کڑھ رہے ہیں۔ آخر کار وہی ہندو بنیا آگے بڑھتا ہے۔ اور شیر شاہ کی خدمت میں گڑگڑا کر عرض کرتا ہے۔)

بنیا! ــــ "بس مہاراج میرا مقدمہ ختم ہوا۔ مجھے داد مل گئی۔ بھگوان میرے ماتا پتا کی عمر دراز کرے۔ شہزادے حضور کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ میں ان کی شان میں گستاخی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ میں نے حضور کا نمک کھایا ہے۔ پھر بھلا حرم شاہی کی بے عزتی کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔

شیر شاہ !۔ میرے مظلوم بچے! ایسا نہ کرو جس ہمت اور دلیری سے داد خواہ ہوئے ہو۔ اسی شان استقلال سے انتقام بھی لو تاکہ آئندہ کسی شہزادے، راجے مہاراجے کو ایسی جرأت نہ ہو۔

بنیا ــــ " مہاراج کی جے ہو" لیکن حضور شہزادے کو کافی سزا مل چکی ہے۔ وہ اپنے کیے پر نادم اور پشیمان ہیں۔ بھگوان کے لیے اب اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں۔

شہنشاہ ! ۔ سُنتے ہو عادل ؟ رعایا بادشاہ کو اپنا ماں باپ تصوّر کرتی ہے ۔ اس لیے ہمیں بھی اس سے وہی سلوک کرنا چاہیئے ۔ جو ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ کرتے ہیں ۔ جاؤ اور اس ہندو سے معافی مانگو ۔ جس نے فیاضی سے کام لے کر تمہیں بے آبرو ہونے سے بچا لیا ۔ ورنہ قیامت تک تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے ۔"

عادل ۔ (بنیے سے) میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے تم سے معافی کا طلب گار ہوں ۔ اور اقرار کرتا ہوں ۔ کہ آج سے تمہاری بیوی میری بہن ہے ۔ اور میں عمر بھر اس کو اپنی بہن ہی کی طرح سمجھوں گا ۔

بنیا ! ۔ شہزادے کی جے ہو ۔

شہنشاہ ۔ (بنیے سے) ٹھہرو ! ادھر آؤ (گلے لگا کر) آج سے تمہاری بیوی ہماری بیٹی ہے ۔ (اس کے لیے جس قدر زر و جواہر درکار ہوں ۔ بے جھجک شاہی خزانے سے لے جاؤ ۔ (ماخوذ)

سبق

اسلام عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے ۔ اور مسلمان بادشاہ بڑے عادل و انصاف پسند ہوتے ہیں ، اور اپنی رعایا کے ہر فرد کا خیال رکھتے ہیں ، جو لوگ مسلمان بادشاہوں کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہیں ۔ وہ بڑے جھوٹے ہیں ۔

حکایت نمبر ۲۸۵

نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ سے بہت پہلے یمن کا ایک بادشاہ تھا۔ جس کا نام ابرہہ تھا۔ اس کے دل میں کعبہ شریف کی بڑی عداوت تھی۔ اور وہ چاہتا تھا۔ کہ مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر کے کعبہ شریف کو ڈھا دے۔ چنانچہ ایک روز وہ اپنے لشکر سمیت ہاتھیوں پر سوار ہو کر کعبہ شریف کو ڈھا دینے کے ارادہ سے مکہ معظمہ آپہنچا۔ قریش مکہ نے جب ابرہہ کی چڑھائی اور اس کے ارادہ کو معلوم کیا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ اور اس امر کی شکایت کی۔ تو حضرت عبد المطلب نے فرمایا۔ کہ گھبراؤ نہیں جس کا یہ گھر ہے۔ وہ خود ہی اپنے گھر کی حفاظت فرما لے گا۔

ابرہہ وادی مکہ میں خیمہ زن تھا۔ وہ اہل مکہ کو بہت تنگ کرنے لگا۔ حتی کہ ایک روز اس نے اہل مکہ کے سارے اونٹ جن میں چار سو اونٹ صرف حضرت عبد المطلب کے تھے جنگل سے ہنکوا لیے۔ اور اپنے قبضہ میں لے لیے۔ حضرت عبد المطلب کو جب پتہ چلا۔ تو قریش کو ساتھ لے کر کوہ ثبیر پر چڑھ آئے۔ اس وقت حضرت عبد المطلب

کی پیشانی مبارک سے نورِ محمدی مثل ہلال چمکتا نظر آرہا تھا۔ اور اس نور کی کی شعاعیں کعبہ شریف پر پڑ رہی تھیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنی پیشانی کے اس نور کو معلوم کر کے قوم کو فرمایا۔ کہ واپس چلو۔ اور یقین کے ساتھ اطمینان دلایا۔ کہ تم تسلی رکھو۔ یہ چمک جو میری پیشانی میں دیکھتے ہو۔ تمہیں یہی ایک نیک فال کافی ہے۔ ابرہہ کے معاملہ میں تم کامیاب رہو گے۔

ابرہہ کو جب معلوم ہوا۔ کہ عبدالمطلب میرے پاس نہ خود آئے ہیں۔ اور نہ ہی قریش کو آنے دیا ہے۔ تو اس نے اپنا ایک آدمی حضرت عبدالمطلب کے پاس بھیجا۔ وہ آدمی جب مکہ شریف میں داخل ہو کر حضرت عبدالمطلب کے پاس پہنچا۔ اور اس کی آنکھ حضرت عبدالمطلب کے چہرے پر پڑی تو وہ خود بخود بے بس ہو کر حضرت عبدالمطلب کے آگے جھک کر ان کے پاؤں پر گر گیا۔ اور زبان سے کچھ نہ بول سکا۔ اور پھر بے ساختہ کہنے لگا۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ تو بے شبہ سرداری کے لائق ہے۔ اور تیری پیشانی میں ایک ایسا نور ہے۔ کہ جس کے سامنے بغیر جھک جانے کے کوئی چارہ ہی نہیں۔ پھر اس نے نہایت ندامت کے ساتھ ابرہہ کا پیغام دیا۔ کہ ابرہہ کہتا ہے۔ کہ اگر عبدالمطلب جو سردار قریش ہے میرے پاس حاضر ہو جائے۔ تو میں بلا مزاحمت واپس چلا جاؤں گا۔ اور مال مغصوبہ اونٹ وغیرہ بھی سب قریش کے حوالہ کر دونگا۔

قریش نے یہ بات سُن کر بڑی عاجزی اور اضطراب کے ساتھ حضرت عبد المطلب کو ابرہہ کے پاس جانے کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ حضرت عبد المطلب تشریف لے گئے۔ اور جب ابرہہ کے خیمہ کے قریب پہنچے۔ تو ابرہہ کی سواری کا عظیم الجثہ سفید ہاتھی جو بڑا مہیب تھا۔ اور خیمہ کے پاس کھڑا کیا ہوا تھا حضرت عبد المطلب کو دیکھتے ہی جھک گیا۔ اور عبد المطلب کی طرف سر کر کے سجدہ کرنے لگا۔ اور اللہ کے حکم سے یوں گویا ہوا۔

اَلسَّلَامُ عَلَى النُّوْرِ الَّذِيْ فِيْ ظَهْرِكَ يَا عَبْدَ الْمُطَّلِبْ

"اے عبد المطلب! اس نور پر سلام جو تیری پشت میں ہے۔"

ابرہہ نے یہ منظر دیکھا۔ تو بڑا حیران ہوا۔ اور حضرت عبد المطلب کو بڑی عزت کے ساتھ بٹھایا۔ اور حضرت عبد المطلب نے فرمایا۔ کہ ہمارے اونٹ واپس کر دے۔ ابرہہ بولا۔ کہ تعجب ہے۔ کہ آپ کو اونٹوں کی تو فکر ہے۔ مگر یہ گھر یعنی کعبہ جس کی بدولت آپ سب کی عزت ہے۔ اس کے ڈھا دینے سے باز رکھنے کی آپ نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔ آپ نے فرمایا۔ اونٹ ہمارے ہیں۔ ہمیں انہیں کی فکر ہے اور کعبہ شریف جس کا گھر ہے۔ وہ خود اپنے گھر کو بچا لے گا۔ کعبے والا جانے، یا تم جانو۔ یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے آئے۔ ابرہہ نے سارے اونٹ واپس کر دیئے۔ لیکن کعبہ شریف کو ڈھا دینے کے لیے اس نے لشکر کو حکم دے دیا کہ ہاتھیوں پر چڑھ کر، اور ایک ہاتھی کو سب سے آگے رکھ

کر کعبہ پر فوراً حملہ کر دو۔ تاکہ یہ ہاتھی پل بھر میں کعبہ کو ڈھا دیں۔ چنانچہ جب ہاتھیوں کو تیار کر کے یہ لشکر کعبہ کی طرف بڑھا۔ تو اگلے ہاتھی نے جب بیت اللہ شریف کو دیکھا۔ تو وہیں اپنا سر سجدہ میں ڈال دیا۔ ہر چند فیلبان نے مارا۔ اور اٹھانے کا چارہ کیا۔ مگر اس کا سر پھر نہ اٹھا۔ فیلبان نے اسے پیچھے جانے کا اشارہ کیا۔ تو وہ فوراً اٹھ کر پیچھے بھاگا۔ باقی ہاتھی بھی سب بے زور ہو کر اس کے پیچھے بھاگ نکلے۔ اُدھر اللہ کے عذاب نے انہیں آلیا۔ اور اوپر سے کنکروں کا منہ برسنے لگا جس سے ابرہہ اور اس کے تمام ساتھی ہلاک ہو گئے۔

(انوار المحمدیہ مطبوعہ مصر ص ۱۱)

سبق:۔ نورِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی برکتیں ہر زمانہ میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو سرداری اسی نور کی بدولت ملی۔ اور کعبہ شریف کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اسی نورِ پاک کی بدولت فرمائی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جانوروں کو بھی نظر آگیا۔ پھر جو برائے نام انسان اس نورِ پاک کا معترف نہ ہو اور جسے یہ نور نظر نہ آئے۔ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوا یا نہیں؟ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ کعبہ شریف کو جانوروں نے بھی سجدہ کیا۔ پھر جو لوگ نماز نہیں پڑھتے اور اللہ کے اس گھر کی طرف رُخ نہیں کرتے۔ وہ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کے مصداق ہوئے یا نہیں؟۔

حکایت نمبر ۱۶۴

پیشوائے کُل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن شریف میں ایک بار گھر سے نکلے۔ تو پھر گھر تشریف نہ لائے۔ آپ کے متعلقین نے سمجھا۔ کہ حضور گم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آپ کی تلاش شروع ہوئی۔ ایک صاحب اونٹنی پر سوار ہو کر حضور کی تلاش کر رہے تھے۔ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے استراحت فرماتے ہوئے مل گئے۔ اس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اور اونٹنی کو جو اٹھایا۔ تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آگے بٹھایا۔ تو اونٹنی اٹھ بیٹھی۔

(رحمۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۲۶۸)

سبق :۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانور بھی پہچانتے ہیں کہ حضور امام الانبیاء اور پیشوائے کل ہیں۔ اسی لیے اونٹنی نے حضور کا پیچھے بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ اونٹنی کے اس قصہ کے متعلق شاعر نے لکھا ہے۔ کہ اس اونٹنی نے گویا زبانِ حال سے یوں کہا۔ کہ

گویا بھی اس اونٹنی کی یہ صدا
بے خبر سرکار کو آ گئے بیٹھا
جب تلک آ گئے نہ بیٹھیں گے نبی
میں قیامت تک نہ اٹھونگی کبھی

معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و امامت کو جو نہیں مانتا۔ وہ جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

حکایت نمبر ۱۴۷

دُرِّ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت سے میں نے کہا۔ کہ اس بچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب وغریب حالات ہیں۔ جب یہ شکم مادر میں تھا۔ تو اس کی ماں عجیب وغریب نورانی مناظر دیکھتی رہی۔ پھر جب یہ پیدا ہوا۔ تو اس کی ماں نے ایک نور دیکھا۔ جس نے سارے گھر کو روشن کر دیا۔ اور اب بھی اس کے انوار و برکات سے ہم سب مستفید ہو رہے ہیں۔ یہودیوں نے جب یہ علامات سنیں۔ تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ کہ اس

نبچے کو قتل کر دو۔ پھر انہوں نے حضرت حلیمہ سے پوچھا۔ کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ تو حضرت حلیمہ نے ان کی نیت بھانپ کر جواب دیا۔ کہ میں اس کی ماں ہوں۔ اور اس کا باپ بھی ہے۔ یہ سُن کر یہودیوں نے کہا۔ اگر یہ بچہ یتیم ہوتا۔ تو دوسری ساری علامتیں اس میں نبی آخر الزمان کی ہیں ہم اسے ضرور قتل کر دیتے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صہ ۲۶۹)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں کتب سابقہ میں موجود تھیں۔ اور حضور کے اوصاف و کمالات کا ذکر پاک بالتفصیل ان میں تھا۔ اور دشمنوں کو بھی حضور کی شان پاک کا علم تھا۔ مگر عداوت و حسد کی بنا پر وہ نہیں مانتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دشمن اس نورِ ایزدی کو بجھانے کی فکر میں رہتے تھے۔ مگر اس نورِ پاک کا اللہ حافظ ہوا۔

حکایت نمبر ۱۴۸
آگ کی کھائی

ابوجہل نے ایک مرتبہ اپنے دوستوں سے کہا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میں اگر کبھی نماز پڑھتے دیکھ لونگا۔ تو میں اس کی گردن

مار دوں گا۔ (معاذ اللہ) چنانچہ ایک دن جب کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اسی ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا۔ لوگوں نے دیکھا۔ کہ وہ حضور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کہ ناگہاں اپنی ایڑیوں پر پھرا۔ یعنی الٹا بھاگتا اور منہ پہ ہاتھ رکھے ہوئے نظر آیا۔ جیسے کوئی اپنے منہ کو کسی منہ پہ پڑی ہوئی چیز سے بچاتا ہے۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوگئے۔ اور اس سے پوچھا۔ کہ تجھے کیا ہوا۔ تو کہنے لگا۔ کہ میں نے جب آپ کی گردن پہ وار کرنے کو آگے ہونا چاہا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ میرے اور آپ کے درمیان آگ کی ایک کھائی ہے۔ اور بڑے بڑے پَر مجھے نظر آئے۔ مجھے یقین ہوگیا۔ کہ اگر میں آگے بڑھا۔ تو ضرور آگ میں گر پڑوں گا۔ چنانچہ خوف کے مارے میں وہاں سے جلد الٹا دوڑا۔ اور بمشکل جان بچائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کا یہ چشم دید واقعہ سنا۔ تو فرمایا۔ اگر وہ میرے نزدیک آجاتا۔ تو فرشتے اس کا جوڑ جوڑ جدا کر کے آگ کی کھائی میں پھینک دیتے۔

(مسلم شریف صفحہ ۳۷۲ جلد ۲)

سبق : ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کے مطابق اپنے اللہ کی خاص حفاظت میں تھے اور "ساری خدائی اک طرف فضلِ الٰہی اک طرف" کے مصداق خدا اپنے محبوب کا حافظ تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سارے فرشتے حضور

کے دربان وخادم ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جو شخص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ ہے۔ اس کے لیے ایک ہولناک آگ کی کھائی تیار ہو چکی ہے۔

حکایت نمبر ۴۹

رسولِ برحق

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا۔ تو یاد رہنے کی غرض سے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش نے مجھے منع کیا۔ کہ ہر بات جو تم حضور سے سنتے ہو۔ لکھ لیتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے بشریت کے باعث کبھی غصّہ کی حالت میں کچھ نکل جاتا ہے۔ یہ سُن کر میں لکھنے سے رک گیا۔ اور حضور سے یہ بات کہہ دی۔ حضور نے اپنے منہ مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ فرما کر فرمایا۔ بے شک لکھو، کہ اس منہ سے ہر حالت میں جو بھی نکلتا ہے۔ حق ہی نکلتا ہے۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ جلد ۱)

سبق: معلوم ہوا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ برحق ہیں۔ اور آپ کی زبانِ انور سے جو بھی نکلے۔ حق ہی ہوتا

ہے۔ اور اس منہ سے حق کے سوا کچھ اور نکل ہی نہیں سکتا۔ اور یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ کہ حضور کے منہ مبارک سے جھوٹ نکلے۔ پھر حبیب اللہ کے رسول کے منہ سے جھوٹ نہیں نکل سکتا۔ تو خود اللہ کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔ (معاذ اللہ) کیوں سب سے بڑا جھوٹ نہ ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کرام حدیث پاک لکھ بھی لیا کرتے تھے۔

حکایت نمبر ۱۵۷

دانائے غیب

ابوجہل کے لڑکے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے سلام لانے سے قبل ایک جنگ میں ایک مسلمان انصاری کو شہید کر دیا۔ جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ تو حضور مسکرا دیئے۔ صحابہ نے عرض کی۔ حضور! آپ مسکرائے کیوں؟ فرمایا۔ اس لیے کہ عکرمہ نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا ہے۔ مگر میں عکرمہ کو بھی اس مسلمان شہید کے ساتھ جنّت میں دیکھ رہا ہوں۔ یعنی دونوں ہی جنّتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا راز اس وقت

کھلا۔ جب کہ عکرمہ بھی مسلمان ہو گئے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صہ ۴۶۲)

سبق: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دانائے غیوب ہیں۔ اور آپ کی نظروں سے کوئی بات پنہاں نہیں حتیٰ کہ ہر شخص کے انجام کی بھی آپ کو خبر ہے۔

حکایت نمبر ۱۵۷

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ایک شخص کے مرنے پر اس کی قبر کھودی جا رہی تھی۔ کہ قبر کھودتے ہوئے ساتھ ہی ایک دوسری قبر ظاہر ہو گئی۔ جس کی لحد سے ایک اینٹ نیچے گر گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس لحد میں ایک نورانی شکل کے بزرگ سفید لباس میں ملبوس تشریف فرما ہیں۔ اور ان کی گود میں ایک سنہری قرآن مجید رکھا ہے جس کے حروف بھی سنہری ہیں۔ اور وہ بزرگ تلاوت کر رہے ہیں۔ اینٹ گرتے ہی اس نورانی بزرگ نے اپنا سر اٹھایا۔ اور پوچھا۔ کیا قیامت قائم ہو گئی؟ کہا گیا نہیں! انہوں نے فرمایا۔ تو یہ اینٹ پھر اسی جگہ لگا دو۔ چنانچہ وہ اینٹ پھر اسی جگہ لگا دی گئی۔

(البشریٰ للسیوطی علیہ الرحمۃ علی ہامش شرح الصدور صہ ۸)

سبق:- اللہ والے مرتے نہیں ہیں۔ بلکہ جگہ بدلتے ہیں۔ او انتقال فرماتے ہیں۔ اور قبروں میں نورانی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں۔ اور قرآن بھی پڑھتے ہیں۔ پھر جس ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ان اللہ والوں کو یہ ابدی حیات ملی۔ اس ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "مرکر مٹی میں مل گئے" لکھنا بے ادبی و بے دینی کی بات ہوئی یا نہ؟۔

حکایت نمبر ۲۵۷
بزرگوں کی دُعا

شارح بخاری حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے گھر کوئی بچہ پیدا ہو کر جیتا نہ تھا۔ آپ بڑے کشیدہ خاطر اور غمگین ہو کر اللہ کے ایک ولی حضرت شیخ صنافیری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور جیتے جاگتے بچے کے لیے درخواستِ دُعا کی۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے فرما دیا۔ کہ جاؤ تمہاری پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا۔ جو اپنے علم و فضل سے دُنیا بھر کو بھر دے گا۔ چنانچہ آپ کی دُعا سے حضرت امام ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری شرح بخاری پیدا ہوئے۔

(بستان المحدثین المحدث دہلوی صہ ۱۷۲)

سبق : بزرگوں کی دُعا سے نامرادوں کے دامن گوہر مراد سے پُر ہو جاتے ہیں۔ بے اولادوں کو اولاد مل جاتی ہے۔ اور غمگین دلوں کو راحت ملتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ بڑے بڑے محدثوں اور بزرگوں کا یہ دستور تھا۔ کہ مشکل کے وقت وہ اللہ والوں کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور اپنی مشکلات کا ازالہ چاہتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ بخاری شریف کے شارح حضرت امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام و محدث ایک بزرگ کی دُعا سے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر کون ہے۔ جو ان محدثین کا غلام ہو کر بزرگوں کے تصرف کا منکر ہو۔

حکایت نمبر ۳۵۷

خُدا کی بندگی

ابومنصور جو سلطان طغرل کا وزیر تھا۔ خدا ترس اور مرد دانا تھا۔ ہر صبح نماز پڑھتا اور مصلّے پر بیٹھ جاتا اور طلوعِ آفتاب تک وظائف پڑھتا رہتا۔ پھر خدمتِ سلطان میں حاضر ہوتا۔ ایک دفعہ بادشاہ کو ایک مہم پیش آگئی۔ سلطان نے وزیر کو بہ تعجیل طلب کیا۔ آدمی بلانے آیا۔ تو وہ مصلّے پر بیٹھا تھا۔ اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ حاسدوں کو بات

ہاتھ آگئی۔ اور شکایت کا موقع مل گیا۔ انہوں نے بادشاہ کو بہکایا۔ کہ بادشاہ نے ایسے ضروری کام کے لیے بلایا۔ اور وزیر نے پروا نہیں کی۔ بادشاہ کے غصّہ کی آگ بھڑک اٹھی۔ جب وزیر اپنے معمول وظائف سے فارغ ہو گیا۔ تو بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے سختی سے پوچھا۔ کہ اتنی دیر سے کیوں آئے۔ اس نے کہا۔ اے بادشاہ! میں خدا کا بندہ ہوں، اور تیرا چاکر۔ جب تک اس کی بندگی سے فارغ نہ ہو جاؤں۔ تیری چاکری پر حاضر نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ اس کے اس دلیرانہ اور سچے جواب سے آبدیدہ ہو گیا اور اس کی بہت تعریف کی اور کہا۔ کہ خدا کی بندگی کو میری چاکری پر مقدّم رکھ۔ تاکہ اس کی برکت سے ہمارے سب کام ہو جائیں۔ (مخزنِ اخلاق ص۱۷۴)

سبق: اللہ کے نیک بندے اپنے اللہ کی بندگی میں کبھی غفلت اختیار نہیں کرتے۔ اور اللہ کی بندگی کو دنیا کے ہر کام سے مقدم سمجھتے ہیں اور ان کے اس پاک جذبہ کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کے ہر کام میں برکت پیدا فرماتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۵۴
ناصحانہ کلمات

حضرت عمر بن عبدالعزیز جب تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو

خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

"میرے دوست تو جانتا ہے کہ میں ایک بہت بڑے کام میں مبتلا ہوا ہوں۔ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ اور اپنے ہم نشینانِ خدا دوست میں سے ایک کو میرے پاس بھجوا دیجئے: تاکہ میں اس کی مصاحبت سے آسائش حاصل کر سکوں۔"

جواب میں حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمتہ نے لکھا:۔

" امیرالمومنین کا نامہ مطالعہ سے گزرا۔ اور جو اشارہ اس میں کیا گیا تھا۔ وہ سمجھ لیا۔ آپ نے جو فرمایا۔ کہ اس کی مصاحبت سے آسائش حاصل کروں۔ تو آپ سمجھ لیں کہ جیسا شخص آپ کو چاہیئے۔ وہ آپ کے نزدیک نہ آئے گا۔ اور آپ سے بے نیاز ہوگا۔ اور جو شخص آپ کے پاس آئے گا ایسے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔ اس کی مصاحبت سے آپ کو کوئی نفع نہ ہوگا۔ اور جو آپ نے نصیحت کے لیے لکھا ہے۔ تو جان لو کہ جو کوئی خدا سے ڈرتا ہے۔ تمام لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ اور جو خدا سے شرم رکھتا ہے۔ لوگ بھی اس سے شرم رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی خدا کے حضور میں گناہوں پر دلیری کا اظہار کرتا ہے۔ تمام لوگ اس پر دلیر ہو جاتے ہیں۔

اور جو کوئی آج امین ہے۔ کل مخدوش ہوگا۔ اور جو آج مخدوش ہے کل امین ہوگا۔ اور جو کوئی اپنے آپ پر مغرور ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت میں معزول ہوگا۔ دنیا کی تمام نیکیوں کا نچوڑ صبر ہے۔ اور صبر کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ اپنے تمام کاموں میں خدا کی پناہ طلب کر اور اس پر توکل رکھ۔ جو کوئی آنکھ کو آزاد کرتا ہے۔ کہ جو کچھ چاہے دیکھے۔ اس کا اندوہ دراز ہو جاتا ہے۔ اور جو کوئی زبان کو رہا کر دیتا ہے۔ کہ جو کچھ چاہے کہے۔ وہ گویا اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے۔ غالباً یہ کلمات آپ کی رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔"

(مخزن اخلاق صہ ۱۳۳)

سبق :- اللہ والے دنیا والوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں دنیوی جاہ و جلال کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز بڑے خدا ترس اور اولیاء دوست خلیفہ تھے۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ناصحانہ کلمات پر پورے پورے عامل تھے۔

حکایت نمبر ۱۵۵

دلجوئی

ایک بادشاہ نے اپنا ایک ایلچی ایک دوسرے بادشاہ کے پاس اس غرض سے بھیجا۔ کہ وہ اس کی سلطنت کی ترقی کے اسباب پر غور کرکے اپنے ملک میں بھی انہی قوانین کو ترویج دے۔ ایلچی نے بادشاہ کے پاس پہنچ کر اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ کہ چراغ کا تیل ختم ہوگیا۔ بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے چراغ میں تیل ڈالنے لگ گیا۔ ایلچی نے کہا۔ کہ غلام کو کیوں نہیں کہہ دیتے۔ بادشاہ نے کہا۔ اس کی آنکھ لگ گئی ہے۔ اور ابھی اس کی کچی نیند ہے۔ اس وقت جگانا مناسب نہیں میری سلطنت کی ترقی کا راز رعایا کی اسی طرح دلجوئی کرنے میں ہے۔ آپ کا بادشاہ بھی اسی فروتنی اور دلجوئی کو اختیار کرے۔ تو سلطنت خودبخود ترقی پذیر ہوسکتی ہے۔ (مخزنِ اخلاق صـ ۲۲۵)

سبق: نیک دل حاکم ہمیشہ اپنی رعایا کی دل جوئی کرتے ہیں اور کبھی کسی فرد پر زیادتی نہیں کرتے۔

حکایت نمبر ۵۶
ہزاروں سال کی عمر

ایک بادشاہ کی مجلس میں ایک بزرگ کی بہت تعریف کی گئی۔ بادشاہ کو اشتیاق ہوا۔ کہ اس سے ملوں۔ چنانچہ فرمان بھیج کر ان کو بلایا۔ وہ بزرگ جب مجلس میں آئے تو انہوں نے سلام کے بعد کہا۔ "بادشاہ کی ہزاروں سال کی عمر ہو۔" بادشاہ نے کہا۔ کہ آپ نے پہلے ہی کلام میں حماقت ظاہر کی۔ جو آپ جیسے بزرگ کی شایان شان نہ تھی۔ اس نے جواب دیا۔ کہ آدمی کی حیات بقائے بدن پر موقوف نہیں ہے۔ لیکن نیک نام کی زندگی وفات کے بعد دوسری حیات ہے۔ میری غرض یہ تھی۔ کہ آپ کا نام صفحہ دہر پر ہزاروں سال تک قائم رہے۔

(مخزن اخلاق صہ ۲۳۶)

سبق:- عدل و انصاف اختیار کرنے سے ہمیشہ کے لیے نام زندہ رہتا ہے۔ اور ایسا شخص گویا مرتا ہی نہیں۔ بلکہ وہ ہزاروں سال تک جیتا رہتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۵۷

عذاب قبر

حارث بن منہال کہتے ہیں۔ ایک بار میں عید گاہ میں گیا۔ وہاں محراب میں سو گیا۔ وہاں ایک قبر بھی۔ میں نے آواز سنی کہ ایک لوہے کے ہتھوڑے سے اس میت کو مار رہے ہیں۔ اس کے گلے میں ایک زنجیر ہے۔ اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے۔ اور آنکھیں نیلی پڑ گئی ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ ہائے مجھ پر کیا بلا نازل ہوئی۔ اگر دنیا والے مجھ کو دیکھیں۔ تو کوئی ان میں سے گناہ کا ارادہ نہ کرے۔ واللہ مجھ سے خطاؤں کی بازپرس ہوئی۔ اور اس نے مجھے ہلاک کر ڈالا۔ کوئی ہے جو میرے گھر والوں کو خبر دے۔ حارث کہتے ہیں۔ میں نیند سے جاگ اٹھا۔ اور میں ہیبت وخوف میں تھا۔ میں نے اس کے گھر والوں کی تلاش کی۔ تین لڑکیاں پائیں۔ میں نے انہیں اس کے حال کی خبر دی۔ اور اس کے دوستوں سے اس کا ماجرا بیان کیا۔ وہ سب اس کی قبر پہ آئے اور روئے اور اللہ سے اس کی مغفرت کی دعا کی۔ بعد چند روز کے میں پھر اسی قبر کے پاس گیا۔ اور وہیں اس کے متصل سو گیا۔ اور اسے بڑی اچھی حالت میں دیکھا۔ اس کے سر پہ ایک تاج تھا۔ اور اس

کے پاؤں میں سونے کی نعلین تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا۔ جزاک اللہ عنی خیرا۔ تو نے میری بیٹیوں اور دوستوں کو خبر کی۔ اور انہوں نے میری مغفرت کی دُعا کی۔ (دواء القلب القاسی تبذکیر الموت للناسی ص ۶۵)

سبق: عذاب قبر برحق ہے۔ اور اموات کے لیے مسلمانوں کی دعائے مغفرت بڑی اچھی اور ضروری ہے۔ اس سے گنہ گار میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ گناہوں کا ارتکاب بہت برا کام ہے۔ اس سے قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے۔ اس لیے ہر شخص کو گناہوں سے بچنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۲۵۰
سُلطان کو نصیحتِ سعدی

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ حج سے واپس ہوتے ہُوئے شہر تبریز پہنچے۔ وہاں کے علماء و صلحاء سے ملاقات کی۔ سلطان اباقا خان کے دو معتمد وزیر تھے۔ جن کا نام خواجہ شمس الدین اور خواجہ علاؤالدین تھا۔ حضرت سعدی سے ان دونوں کو خاص عقیدت تھی۔ ایک روز سلطان کی سواری آ رہی تھی۔ اور یہ دونوں وزیر بھی اس

کے ہمراہ سوار تھے۔ اتفاقاً حضرت سعدی بھی اُسی راہ سے گزر رہے تھے۔ جب ان دونوں وزیروں نے حضرت سعدی کو دیکھا۔ تو اپنے گھوڑوں سے اُتر کر حضرت سعدی کو نہایت ادب سے سلام کیا۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسے دیئے۔ یہ حال دیکھ کر سلطان نے حاضرین سے پوچھا۔ کہ شمس الدین نے کبھی ہماری تعظیم بھی اس مسافر کے برابر نہیں کی۔ یہ کون شخص ہے؟ جب دونوں وزیر حضرت سعدی کو مل کر واپس آئے۔ تو سلطان نے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کی تم نے اس قدر تعظیم کی۔ وہ بولے یہ ہمارے شیخ حضرت سعدی ہیں۔ سلطان کو حضرت سعدی سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور دونوں وزیروں کی وساطت سے حضرت کو اپنے پاس بلا کر ان کی صحبت سے مستفید ہوا۔ حضرت شیخ جب چلنے لگے۔ تو سلطان نے کہا مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ حضرت سعدی نے فرمایا۔ نیکی یا بدی کے سوا دنیا سے کوئی چیز ساتھ نہ جائے گی۔ اب تم کو اختیار ہے۔ جو چاہو ساتھ لے جاؤ۔ سلطان نے کہا۔ اگر یہ مضمون نظم میں ہو جائے تو بہتر ہے۔ آپ نے اسی وقت یہ دو شعروں کا قطعہ نظم کر کے پڑھا ؎

شہے کہ پاس رعیت نگاہ میدارد
حلال باد خراجش کہ مزد چوپانی است
وگرنہ راعئ خلق است زہر مارش باد
کہ ہرچہ میخورد از جزیہ مسلمانی است

ترجمہ :- جو بادشاہ رعیت کی حفاظت کرتا ہے۔ خدا کرے اس کے لیے خراج (ٹیکس) حلال ہو۔ کیونکہ وہ اس کی نگہبانی کی اجرت ہے۔ اور اگر خلقت کا راعی (نگہبان) نہیں ہے۔ تو وہ اس کے لیے سانپ کا زہر ہے۔ اس صورت میں جو کچھ کھائے گا۔ وہ مسلمانی جزیہ ہے۔

(مغنی الواعظین صہ۱۱۴)

سبق :- دنیا سے کوچ کرنے کے بعد ساتھ اگر کوئی چیز جائے گی تو نیکی یا بدی۔ اس لیے عاقبت اندیش افراد اپنے ساتھ نیکی لے کر جاتے ہیں۔ اور بدی سے ہمیشہ کنارہ کش رہتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ نیک دل حاکم اپنی رعایا کے راعی و نگہبان اور ان کے دکھ درد میں شریک، ہوتے ہیں۔

حکایت نمبر۱۵۹

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کی نصیحت

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ تو راستے میں آپ نے ایک امیر شخص کو دیکھا۔ جو زرق برق اور معطّر لباس پہنے اپنے خدام وحشم کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں جا رہا تھا۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے اس امیر آدمی کو مخاطب فرما کر فرمایا۔ کہ اے امیرِ شہر! تو کہاں جا رہا ہے۔ اس نے کہا۔ میں بادشاہ کے دربار میں جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا ذرا غور کر کہ تو نے جو یہ شاندار اور معطّر لباس پہنا ہے۔ صرف اس لیے کہ بادشاہ کے دربار میں حضوری کے وقت تو پھٹے پرانے بوسیدہ اور بدبودار لباس سے شرمندہ نہ ہو۔ حالانکہ وہ بادشاہ بھی تیری طرح ایک انسان ہے۔ اب سوچ تو! کہ یہ گناہوں کی کثرت اور نافرمانی کی گندگی سے جو تو نے اپنی روح کو ملوث کر رکھا ہے۔ تو کل قیامت کے روز انبیاء و صالحین کے درمیان احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری دیتے وقت کیا تم شرمندہ نہ ہو گے؟

امیر پر اس کلام کا بڑا اثر ہوا۔ اور اس نے حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کی بیعت کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔

(زبدۃ الناصحین ص ۱۳۶)

سبق:۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری کے لیے ہمیں لازم ہے۔ کہ نیک اعمال اور اخلاقِ حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ و مزین کر لیں۔ اور گناہوں کی گندگی سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ تاکہ اللہ کے حضور شرمندگی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

حکایت نمبر ۲۶۰

بادشاہ اور فقیر

ایک درویش بزرگ کسی بادشاہ امیر سے ملنے نہیں جاتے تھے۔ آخر بادشاہِ وقت خود چل کر ان کے پاس پہنچا۔ جس وقت اس درویش نے دیکھا کہ بادشاہ میرے پاس آیا ہے۔ تو اسی وقت سجدہ شکر ادا کیا۔ اور وجہ یہ بتائی کہ اللہ کا شکر ہے۔ کہ اس نے بادشاہ کو میرے پاس بھیجا۔ اور مجھے اس کے پاس نہیں جانے دیا۔ کیونکہ درویشوں کے پاس بادشاہ کا آنا عبادت ہے۔ اور ان کا اس کی طرف چلنا گناہ ہے۔ بادشاہ کو ثواب حاصل ہوا۔ اور میں گناہ سے بچ گیا۔

(تعلیم الاخلاق صہ ۲۰۵)

سبق : بڑے اچھے ہیں وہ امیر جو درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور بہت بُرے ہیں وہ برائے نام درویش جو امیروں کے دروازوں پر حاضری دیتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ وَبِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ" یعنے وہ امیر بہت اچھا ہے جو فقیر کے دروازے پر نظر آئے۔ اور وہ فقیر بہت بُرا ہے جو امیر کے دروازے پر نظر آئے۔

حکایت نمبر۱۶۱

زہریلی نظر

اسکندر کے عہد میں ایک جانور پیدا ہوا۔ جس کی نظر زہریلی تھی۔ وہ اپنی زہر بھری نظر سے جس کی طرف بھی دیکھتا۔ اُسے ہلاک کر دیتا۔ کوئی اس کے نزدیک جانے کی جرأت نہ کرتا۔ بادشاہ نے بڑے بڑے داناؤں سے پوچھا۔ کہ اس جانور کو کیسے ہلاک کیا جائے۔ اس وقت ایسے اسلحہ تو تھے نہیں۔ جنہیں دُور سے چلا کر اُسے ڈھیر کر دیا جائے۔ کسی دانا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ آخر حکیم ارسطا طالیس نے ایک تجویز سوچی۔ ایک بہت بڑا آئینہ تیار کیا۔ اسے چھکڑے پر رکھوایا۔ اور شیشے کے پیچھے ایک آدمی بٹھایا۔ کہ اسے اس رخ پر رکھے جدھر وہ موذی جانور ہو۔ چنانچہ وہ موذی جانور چھکڑا دیکھ کر آگے بڑھا۔ جونہی اس کی نظر آئینہ پر پڑی۔ اور اپنی صورت نظر آئی تو وہیں گر کر مر گیا۔ خلقت نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اسکندر نے ارسطا طالیس سے پوچھا۔ کہ اس میں کیا حکمت تھی۔ عرض کیا۔ کہ زمین کے اندر گندے بخارات بند رہنے کے باعث کئی سالوں کے بعد ایسے جانور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس جانور کی آنکھ میں زہر قاتل تھا وہ جس کی طرف دیکھتا۔ ہلاک ہو جاتا۔ جب اس نے آئینہ پر نظر کی

تو اس کی زہر بھری نظر کا عکس اس پر پڑا - اور سرائیت کر کے اسی کی ہلاکت کا موجب بن گیا -

(تعلیم الاخلاق ص۱۵)

سبق : جس طرح اس موذی جانور کی زہریلی نظر کا اثر خود اسی پر پڑا اور وہ ہلاک ہو گیا - اسی طرح حسد کرنے والا انسان بھی اپنی حسد کی آگ میں خود ہی جل بھن جاتا ہے - اور اپنا ہی نقصان کر لیتا ہے - جس کا وہ حسد کرتا ہے - وہ تو خوشیاں مناتا رہتا ہے اور حاسد اپنے حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے -

---

حکایت نمبر ۶۲

نشانِ مردمی

کرمان کا ایک بادشاہ بڑا سخی اور مہمان نواز تھا - اس کے مہمان خانے کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا - اور ہر خاص و عام کو کھانا ملتا تھا - جو کوئی اس کے شہر میں داخل ہوتا - وہ اس کا مہمان ہوتا تھا - اور صبح کا ناشتہ اور شام کا کھانا اس کے مہمان خانے میں تیار ملتا تھا - ایک دفعہ عضد الدولہ نے اس پر لشکر کشی کی اور کرمان کا بادشاہ تاب مقابلہ نہ لا کر قلعہ نشین ہو گیا - عضد الدولہ کا لشکر ہر صبح محصورین سے

سخت جنگ کرتا۔ جب رات ہوتی۔ تو کرمان کا بادشاہ دشمن کے سارے لشکر کے لیے کھانا بھیجتا۔ عضد الدولہ نے پیغام بھیجا۔ کہ کیا وجہ ہے کہ ہم سے سارا دن لڑتے بھی ہو اور رات کو روٹی بھی بھیجتے ہو۔ جواب دیا۔ کہ جنگ کرنا اظہارِ مردمی ہے اور روٹی کھلانا نشانِ مردمی۔ آپ اگرچہ ہمارے دشمن ہیں۔ مگر ہمارے شہر میں مسافر ہیں۔ یہ مروت کے خلاف ہے۔ کہ آپ ہمارے شہر میں ہوں اور اپنا کھانا کھائیں۔۔۔ عضد الدولہ یہ سُن کر رو پڑا اور کہا۔ کہ ایسے با مروت سے لڑنا بے مروتی ہے۔ چنانچہ محاصرہ اُٹھا کر چلا گیا۔ اور پھر چھیڑ چھاڑ نہ کی۔

(تعلیم الاخلاق ص۳۰)

سبق:۔ جو کام اخلاق و مروت کی تلوار کر سکتی ہے۔ وہ کام فولاد کی تلوار نہیں کر سکتی۔

حکایت نمبر ۲۶۳

چغلخور پر لعنت

خلیفہ معتصم باللہ بڑا نیک دل حاکم تھا۔ اس کے عہد میں ایک کمینے چغلخور نے اس کے پاس رپورٹ کی۔ کہ فلاں آدمی فوت ہو گیا ہے۔

وہ بڑا دولت مند تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا ہے۔ اگر حکم ہو تو اس کے ترکہ سے کچھ حصہ لڑکے کے گذارہ کے لیے رکھ کر باقی سارا مال بطور قرض داخل خزانہ کر لیا جائے۔ اور جب وہ بڑا ہو تو اسے دیا جائے۔ اس طریقہ سے لڑکے کا مال محفوظ رہے گا اور خزانہ شاہی معمور ہو جائے گا معتصم نے اس کاغذ کی پشت پر لکھ بھیجا۔ کہ

مرنے والے کو خدا بخشے، اور اس کے مال و میراث میں
برکت دے۔ اور یتیم نیک نیتی سے پرورش پائے
اور چغلخور پر خدا کی لعنت ہو۔ (تعلیم الاخلاق ص۱۱)

سبق: نیک دل حاکم کبھی کسی چغلخور کی بات پر دھیان نہیں دیتے اور اپنی رعایا کے مال و میراث پر کبھی ناجائز قبضہ نہیں کرتے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ محض شرارت و طمع سے حکام کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جھوٹے اور چغلخور ہوتے ہیں۔ اور اللہ کی لعنت کے مستحق۔

حکایت نمبر ۱۴۶
قبرستان

حضرت علی بن المغیرہ رحمۃ اللہ علیہ دن رات قبرستان میں

رہا کرتے تھے۔ حضرت خلف بن سالم علیہ الرحمۃ نے ایک بار ان سے پوچھا۔ کہ آپ کہاں رہتے ہیں؟ تو فرمایا۔ وہاں جہاں امیر غریب کا امتیاز نہیں۔ اور جہاں سب برابر ہیں۔ پوچھا۔ کہ وہ کونسی جگہ ہے؟ فرمایا۔ قبرستان۔ پوچھا۔ کیا آپ کو وہاں رات کی تاریکی میں ڈر نہیں لگتا؟۔ فرمایا۔ جب رات پڑتی ہے تو میں اس وقت قبر کی تاریکی یاد کر لیتا ہوں۔ پھر مجھے رات کی تاریکی نہیں ڈراتی۔ پوچھا۔ قبرستان کے ہولناک منظر کا آپ کے دل پر اثر نہیں پڑتا؟ فرمایا۔ میں قیامت کے دن کا ہولناک منظر یاد کر لیتا ہوں۔ تو قبرستان کا منظر مجھے نہیں ڈرا سکتا۔ (روض الریاحین ص۱۱۳)

سبق: انسان کو ہر وقت قبر کا عالم اور قیامت کا دن یاد رکھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ ایک دن مرنا ہے اور قیامت کے روز اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے۔

حکایت نمبر ۱۶۵

شیطان کا افسوس

ایک مرتبہ ایک اللہ کے مقبول نے شیطان کو دیکھا۔ اور اس

سے پوچھا۔ کہ اے ابلیس! کیا کبھی تو نے مجھ پر بھی اپنا داؤ چلایا؟ شیطان نے کہا۔ کہ ہاں ایک مرتبہ آپ نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔ اور آپ پر اس روز نیند کا کچھ ایسا غلبہ ہوا۔ کہ آپ رات کا وظیفہ پڑھے بغیر سو گئے تھے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے۔ خدا کی قسم آئندہ میں کبھی خوب سیر شکم ہو کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ شیطان بولا! افسوس میں نے اپنا راز بتا دیا۔ مجھے بھی خدا کی قسم! آئندہ میں بھی کبھی آپ جیسے بزرگ کو نصیحت نہ کروں گا۔ (روض الریاحین ص ۱۱۴)

سبق: اللہ کے مقبول بندوں پر شیطان کو غلبہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور مقبولانِ حق ہر ایسی بات سے جو غفلت میں ڈال دینے والی اور شیطان کو خوش کرنے والی ہے۔ بچتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں حکم ہے۔ کہ کُوْنُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ یعنی سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ تاکہ ان پاک لوگوں کی رفاقت و معیت کے صدقہ میں ہم بھی شیطان سے بچ جائیں۔

حکایت نمبر ۱۶۶

اللہ کی ایک مقبول بندی

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی بھی بڑی عبادت گزار

اور اللہ کی مقبول بندی تھی۔ رات کے وقت اپنے خاوند کو یہ کہہ کر جگایا کرتی تھی۔ کہ

قُمْ یَا رَجُلُ فَقَدْ ذَهَبَ اللَّیْلُ وَ بَیْنَ یَدَیْكَ طَرِیْقٌ بَعِیْدٌ وَ زَادُنَا قَلِیْلٌ وَ قَوَافِلُ الصَّالِحِیْنَ قَدْ سَارَتْ قُدَّامَنَا وَ بَقِیْنَا نَحْنُ۔

"اٹھیے! کہ رات گزر گئی۔ اور راستہ طویل ہے۔ اور زادِ راہ قلیل۔ اور اللہ والوں کے قافلے چل بھی دیئے۔ اور ہم پیچھے رہ گئے۔" (روض الریاحین ص۱۱۶)

سبق: اللہ کے نیک بندے راتوں کو بھی اٹھ اٹھ کر اللہ کی یاد کرتے ہیں۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کی فکر میں رہتے ہیں معلوم ہوا۔ کہ دن لہو ولعب میں اور راتیں نیند میں گزارنے والے بڑے ہی ناعاقبت اندیش ہیں۔ اور پیچھے رہ جانے والے ہیں۔

حکایت نمبر۲۲۶

آگ میں

ایک بزرگ وعظ فرمارہے تھے۔ اور فرمارہے تھے کہ قیامت

کے روز ہر ایک کو جہنم کے اُوپر سے گزرنا ہو گا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے
اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔
وہاں سے ایک یہودی گزر رہا تھا۔ اس نے یہ آیت سُنی۔
تو کہنے لگا۔ کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم تم تو برابر ہیں۔ اس
لیے کہ ہمیں اور آپ سب کو جہنم سے گزرنا ہو گا۔ وہ بزرگ فرمانے لگے
نہیں یہ بات نہیں۔ گزریں گے تو سبھی۔ لیکن ہم سلامتی کے ساتھ عبور
کر جائیں گے اور تقویٰ اور ایمان کی بدولت بچ جائیں گے۔ اور تم اس
کے اندر گر جاؤ گے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی :۔
ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا
یہودی نے کہا۔ کہ اگر متقی بچیں گے۔ تو سُن لیجئے کہ متقی ہم ہی
ہیں۔ فرمایا۔ یہ بات بھی نہیں اور یہ آیت پڑھی :۔
وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ
يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ۔
یہودی نے کہا۔ اچھا اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کیجئے۔ فرمایا
لو ایسی دلیل پیش کرتا ہوں۔ جسے ہر خاص و عام دیکھ سکے گا۔ اور
وہ یہ ہے کہ ایک کپڑا میرا اور ایک کپڑا تمہارا لے کر دونوں کو آگ
میں ڈالتے ہیں۔ جس کا کپڑا آگ میں جلنے سے بچ جائے وہ سچا۔ یہودی

نے کہا۔ مجھے منظور ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک کپڑا لیا۔ اور ایک کپڑا اس یہودی کا لے کر یہودی کے کپڑے کو اپنے کپڑے کے اندر لپیٹ کر جلتی آگ میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے نکالا گیا۔ تو سارے لوگوں نے دیکھا۔ کہ حضرت کا کپڑا جو اُوپر تھا۔ بالکل محفوظ ہے اور یہودی کا کپڑا جو اندر تھا۔ جل چکا ہے۔ کرامت دیکھ کر وہ یہودی اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ (روض الریاحین صہ۱۲)

سبق : ایمان ایک ایسی مفید اور نافع چیز ہے۔ کہ اس کی بدولت انسان جہنم کی آگ سے بچ جاتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ایک بزرگ کی طرف منسوب ہو جانے سے ایک کپڑا بھی آگ میں جلنے سے بچ گیا۔ تو جو انسان کسی اللہ کے مقبول بندے سے نسبت پیدا کر لے گا۔ وہ کیوں نہ نجات پا لے گا۔

حکایت نمبر ۱۶۸

سب سے بڑی دولت

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ پرندے آپ

کے سر پر سایہ کناں تھے۔ اور آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنّ و انس اور وحوش و طیور کے لشکر تھے۔ اس بے مثل شوکت کو دیکھ کر ایک عابد و ذاکر شخص نے کہا۔ اے اللہ کے پیغمبر! آپ کو بہت بڑی سلطنت و دولت عطا فرمائی گئی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ میری اس سلطنت و دولت سے بھی بڑی دولت خُدا کی یاد ہے۔ اس لیے کہ یہ سلطنت و دولت فانی ہے۔ اور خُدا کی یاد باقی ہے۔ (روض الریاحین ص ۱۲۱)

سبق: خدا کی یاد بہت بڑی دولت ہے اور جسے یہ دولت حاصل ہے اصل میں امیر وہی ہے۔ اور جو خدا کی یاد سے غافل ہے وہ یہ چند روزہ حکومت پاکر بھی مفلس و قلاش ہے۔

حکایت نمبر ۲۶۹

روزہ

حجاج ثقفی ایک مرتبہ حج کے لیے مکّہ معظمہ و مدینہ منوّرہ کے درمیان جاتے ہوئے ایک منزل میں اترا اور دوپہر کا کھانا تیار کرایا۔ کھانا تیار ہو گیا۔ تو اپنے حاجب سے کہا۔ کہ کسی مہمان کو لے آؤ۔ جو میرے ساتھ

بیٹھ کر کھانا کھائے۔ حجاج خیمہ سے باہر نکلا۔ تو اُسے ایک اعرابی لیٹا ہُوا نظر آیا۔ اُس نے اُسے جگایا۔ اور کہا۔ چلو تمہیں امیر حجاج بلا رہے ہیں۔ اعرابی آیا۔ تو حجاج نے کہا۔ میری دعوت قبول کرو۔ اور ہاتھ دھو کر میرے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ جاؤ۔ اعرابی بولا۔ معاف فرمائیے آپ کی دعوت سے پہلے میں آپ سے بہتر ایک کریم کی دعوت قبول کر چکا ہوں۔ حجاج نے کہا۔ وہ کس کی؟ وہ بولا۔ اللہ تعالیٰ کی جس نے مجھے روزہ رکھنے کی دعوت دی۔ اور میں روزہ رکھ چکا ہوں۔ حجاج نے کہا۔ اتنی سخت گرمی میں روزہ؟ اعرابی نے کہا۔ ہاں! قیامت کی سخت ترین گرمی سے بچنے کے لیے۔ حجاج نے کہا۔ آج کھانا کھا لو اور یہ روزہ کل رکھ لینا۔ اعرابی بولا۔ اور کیا آپ اس بات کی ضمانت دیتے ہیں۔ کہ میں کل تک زندہ رہوں گا۔ حجاج نے کہا۔ یہ بات تو نہیں۔ اعرابی بولا۔ تو پھر وہ بات بھی نہیں۔ یہ کہا اور چل دیا۔

(روض الریاحین ص ۱۳۰)

سبق:۔ اللہ کے نیک بندے کسی دنیوی حاکم کے رعب میں نہیں آتے؛ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ یہاں کی گرمی برداشت کر کے روزہ رکھتے ہیں۔ وہ کل کی ہولناک گرمی سے محفوظ رہیں گے۔

حکایت نمبر ۲۰۰

یہودی سے مناظرہ

حضرت ابوالہذیل فرماتے ہیں۔ کہ ایک یہودی بصرے میں آیا۔ اور اس نے عام متکلمین کو بند کر دیا۔ میں نے اپنے چچا سے کہا۔ کہ میں اس یہودی سے مناظرہ کرنے کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ چچا نے کہا۔ بیٹا! وہ متکلمین بصرہ کی ایک جماعت کو ہرا چکا ہے۔ میں نے کہا۔ کہ مجھے ضرور جانا ہے۔ تو چچا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ہم اس یہودی کے پاس پہنچ گئے۔ تو میں نے اُسے اس حال میں پایا۔ کہ وہ ان لوگوں سے جو ان سے بحث کرتے تھے۔ اپنے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کراتا ہے۔ پھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے۔ کہ ہم اس نبی کے دین پر ہیں کہ جس کی نبوت پر مسلمانوں نے بھی اتفاق کیا۔ اور تم اس نبی کے دین پہ ہو۔ جس کی نبوت پر ہم اتفاق نہیں کرتے۔ تو ہم اس دین کو کیوں مانیں جس کا نبی متفق علیہ نہیں ہے۔ اور اس کا اقرار کیوں کریں؟ اب میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے کہا۔ کہ میں تجھ سے سوال کروں یا تو مجھ سے سوال کرے گا؟ اُس نے کہا۔ بیٹا! کیا تو دیکھتا نہیں کہ

میں نے تیرے بڑوں کو گفتگو میں بند کر رکھا ہے۔ میں نے کہا۔ تم ان باتوں کو چھوڑو۔ اور ان دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرو۔ اس نے کہا۔ میں سوال کرتا ہوں۔ کہ موسیٰ اللہ کے انبیاء میں سے ایک ایسے نبی نہیں ہیں، جن کی نبوت صحیح اور ان کی نبوت ثابت ہے؟ تو اس کا انکار کرتا ہے یا اقرار؟ اگر تو انکار کرتا ہے تو اپنے نبی کی مخالفت کریگا میں نے اس سے کہا۔ کہ جو سوال تو موسیٰ کے بارے میں مجھ سے کر رہا ہے۔ میرے نزدیک اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں اقرار کرتا ہوں اس موسیٰ کی نبوت کا جس نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صحیح ہونے کی خبر دی اور ہم کو حکم دیا کہ ان کا اتباع کریں۔ اگر تو اس موسیٰ کے بارے میں سوال کر رہا ہے۔ تو میں اس موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کرتا ہوں۔ اور اگر تو جس موسیٰ کے بارے میں سوال کر رہا ہے وہ ایسا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہیں کرتا اور اس نے ان کے اتباع کا حکم ہمیں دیا اور نہ اس نے ان کی آمد کی بشارت دی تو میں اس کو نہیں پہچانتا۔ اور نہ میں اس کی نبوت کا اقرار کرتا ہوں۔ تو میرے جواب سے وہ یہودی بوکھلا کر رہ گیا پھر اس نے کہا تورات کے بارے میں تو کیا کہتا ہے۔ میں نے کہا۔ تورات کے بارے میں بھی میرے نزدیک دو صورتیں ہیں۔ اگر وہی تورات مراد ہے جو اس موسیٰ پر نازل ہوئی جس

نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا تھا۔ تو یہ تورات حق ہے۔ اور اگر وہ تورات مراد ہے جس کا تو دعویٰ کر رہا ہے۔ تو جھوٹی ہے۔ اور میں اس کی تصدیق نہیں کروں گا۔ پھر اس نے کہا۔ میں تجھ سے علیحدگی میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ جو صرف میرے اور تیرے درمیان ہو گی۔ میں نے خیال کیا۔ کہ شاید کوئی نیک بات ہو۔ میں اس کے قریب ہو گیا۔ اس نے آہستہ آہستہ مجھے گالیاں دینا شروع کیں۔ کہ تیری ماں ایسی اور ایسی ہے۔ اور جس نے تجھے تعلیم دی۔ اس کی ماں ایسی ہے۔ وہ گالیوں میں بجائے کنایہ کے عریاں الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ در اصل وہ کوشش یہ کر رہا تھا۔ کہ میں اس پر حملہ کر بیٹھوں۔ پھر اس کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے۔ کہ مجھ پر حملہ کر دیا گیا ہے۔ اس لیے میں جا رہا ہوں۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر میں نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ اور میں نے کہا۔ اللہ تم کو عزت دے۔ کیا میں نے اس کو جواب نہیں دیا؟ سب نے کہا۔ بے شک۔ پھر میں نے کہا۔ کیا اس پر لازم نہ تھا۔ کہ میرے جوابات کو رد کرتا۔ سب نے کہا۔ ضرور۔ پھر میں نے کہا۔ کہ اس نے جب مجھ سے سرگوشی کی۔ تو مجھے ایسی گالیاں دیں۔ جن سے حد واجب ہوتی ہے۔ اور میرے استاد کو بھی ایسی گالیاں دیں۔ اور اس نے یہ سمجھا تھا۔ کہ میں یہ گالیاں سن کر اس پر حملہ کر دوں گا۔ پھر اس کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا۔ کہ ہم نے اس پر حملہ

کیا تھا۔ اب تم پہچان چکے ہو کہ یہ کس قماش کا شخص ہے۔ بس پھر تو عوام کے ہاتھوں سے اس پر جوتے پڑنا شروع ہو گئے۔ اور وہ بصرے سے بھاگتا ہوا نکلا۔ اور وہاں لوگوں کے ذمہ اس کا بہت سا قرض تھا اس کو بھی چھوڑ گیا۔ (کتاب الاذکیا ص ۲۵۳)

سبق:۔ بدمذہب ہمیشہ عیاری و چالاکی کے ساتھ اپنے عقائد باطلہ کی تشہیر کرتے ہیں۔ اور ایسے چالاک لوگوں کے داؤ سے بچنے کے لیے بڑی دانائی اور ہوشیاری درکار ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ بدعقیدگی کا پول آخر کھل کر ہی رہتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۱۷

حق بحقدار رسید

شام کے دھندلکے میں خیرو مالی باغ میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ اس وقت وہ نہ جانے کن خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اسے اپنے بیتے ہوئے دن بُری طرح یاد آ رہے تھے جب وہ شیخ غلام علی کے ہاں کام کرتا تھا۔ کتنا خوش تھا۔ وہ شیخ جی کے ہاں۔ شیخ صاحب اس پر کیسے مہربان تھے۔ اس کا کتنا خیال رکھتے تھے

اس کے کام کی کتنی قدر کرتے تھے۔ اور وہ کیسی بُری گھڑی تھی۔ جب وہ اس شہر سے جانے لگے اور ایسے شریف آدمی کی نوکری سے اُسے الگ ہونا پڑا۔

اور اب وہ نئے آقا کے ہاں کام کرتا تھا۔ گلزار خاں کے ہاں۔ یہ خان صاحب شیخ جی کی بالکل ضد تھے۔ بہت کنجوس، بدمزاج اور بہت چڑچڑے۔ بہت ناقدرے۔ چاہے کوئی کتنی ہی محنت کرے۔ چاہے کوئی کتنا ہی کام کرے۔ پر ان کا منہ سیدھا نہیں ہوتا تھا۔ ان کا لڑکا دلدار خاں باپ سے بھی دو قدم آگے تھا۔ خیرو مالی ان دو پاٹوں کے بیچ میں پس رہا تھا۔ مگر آدمی وفادار تھا۔ سب تکلیفیں جھیل رہا تھا۔ اور جیسے تیسے نباہ رہا تھا۔

وہ اپنے خیال میں محو برابر پانی دے رہا تھا۔ اتنے میں ایک نرم سی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے گردن اُٹھا کر دیکھا۔ تو ایک شریف آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے پوچھا۔ بھلا خیرو مالی کو بھی تم جانتے ہو؟۔

خیرو جھٹ بولا۔ میں ہی ہوں خیرو مالی۔ کیا بات ہے سرکار! میرے لائق کوئی کام؟۔

شریف آدمی نے پوچھا۔ شیخ غلام علی کو جانتے ہو! اپنے پرانے آقا کا نام سُن کر خیرو کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ بولا

میں خوب جانتا ہوں ۔ بھلا انہیں نہ جانوں گا ۔ برسوں ان کا نمک کھایا ۔ خدا ان کی سی عادت سب کو عطا کرے ۔

شریف آدمی نے خیرو کی طرف غور سے دیکھا ۔ اور یہ اطمینان کر کے کہ جو حلیہ اُسے بتایا گیا تھا ۔ خیرو بالکل ویسا ہی ہے ۔ بہت غمگین انداز میں بولا ۔ تو بھئی ! تمہیں یہ سُن کر افسوس ہو گا ۔ کہ شیخ جی کا انتقال ہو گیا ہے ۔ خیرو کو یہ خبر سُن کر ایک دھکا سا لگا ۔ اور اُسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس دنیا میں اس کا کوئی سہارا نہیں رہا ۔ پھر وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا ۔

شریف آدمی بھی رو رہا تھا ۔ اس نے گلا صاف کرتے ہوئے رُک رُک کر کہا ۔ شیخ جی مرتے ہوئے تمہیں دُعائیں دے گئے ہیں اور تمہیں ایک تحفہ بھیجا ہے ۔ (کوٹ کی جیب سے تھیلی نکال کر) یہ دو ہزار کے نوٹ ہیں ۔ تم نے شیخ جی کی بہت محنت ، ایمانداری اور وفاداری سے خدمت کی ہے ۔ یہ اس کا انعام ہے ۔

خیرو بالکل کھو گیا ۔ جیسے کسی نے اس پر جادو کر دیا ہو ۔ تھوڑی دیر بعد جو اس ٹھکانے ہوئے ۔ تو وہ شریف آدمی جا چکا تھا ۔

اس وقت خیرو کے دماغ میں پہلی بات جو آئی وہ یہ تھی ۔ کہ اس نوکری کو لات مارے گا ۔ اور زندگی کے باقی دن آرام و اطمینان سے گزارے گا ۔

اب یہ دولت اُسے حفاظت سے رکھنا تھی۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اپنی جھونپڑی تو اس کی بالکل غیر محفوظ تھی۔ ایک جھاڑی نظر آئی۔ جو گھنی اور ایک طرف تھی۔ سُرخ سُرخ پھولوں سے لدی ہوئی۔ اس جھاڑی کے پیچھے ایک پرانا پیڑ تھا۔ پیڑ کی جڑ سے ذرا اُوپر ایک کھوکھ تھی۔ بس یہی جگہ سب سے زیادہ محفوظ اسے نظر آئی۔ خیرو نے وہ تھیلی اس میں ٹھونس دی۔ اور اس پہ ایک پتھر رکھ دیا۔

خیرو کو تھیلی کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ تو اس نے سوچا۔ چلو خاں صاحب کو جا کر آخری سلام کر آؤں۔ اُسے یہ بالکل پتہ نہیں تھا۔ کہ دلدار خاں کہیں چھپا ہُوا اُسے تھیلی رکھتے ہُوئے دیکھ رہا ہے۔ خیرو جونہی پیڑ کے پاس سے ہٹا دلدار خاں پنجوں کے بل دوڑتا ہُوا آیا۔ اور چپکے سے تھیلی نکال کر سیدھا باپ کے پاس پہنچا۔ اُسے بتایا۔ کہ تھیلی خیرو مالی کی ہے۔ وُہ اُسے ایک جگہ سے اُڑا لایا ہے۔

لالچی باپ نے تھیلی بیٹے سے لے لی۔ اور کہا۔ تم اطمینان رکھو یہ تھیلی کہیں بہت حفاظت سے رکھ دوں گا۔

اتنے میں خیرو بھی پہنچ گیا۔ گلزار خاں اس وقت بہت خوش خوش تھا۔ اور امید کے خلاف بہت ملنساری اور انسانیت کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ اس نے بڑی خوشی کے ساتھ خیرو کا حساب صاف کر دیا۔ اور دوسری صبح کو اسے جانے کی اجازت دے دی۔ دُوسرے دن جیسے ہی

خیر و مالی رخصت ہوا دلدار خاں اپنے باپ کے پاس دوڑا ہوا آیا۔ اور تھیلی والی بات پوچھنے لگا۔ گلزار خاں نے کہا۔ بیٹا! یہ تھیلی میں نے ایسی جگہ رکھ دی ہے کہ کسی کے فلک کو بھی خبر نہیں ہو سکتی۔

دلدار خاں نے بے صبری کے ساتھ پوچھا۔ آخر کس جگہ؟

گلزار خاں نے بڑے اطمینان کے ساتھ بتایا۔ وہ جو گھنی سی جھاڑی ہے نا نیلے نیلے سُرخ سُرخ پھولوں سے لدی ہوئی اس کے بالکل پیچھے ایک پرانا پیڑ ہے۔ بس اس پیڑ کی کھو کھ میں۔

اتنا سننا تھا۔ کہ دلدار خاں کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ گلزار خاں کو بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر بہت اچنبا ہوا۔ دلدار خاں کمزور آواز میں بولا۔

یہ کیا غضب کیا ابا آپ نے؟ یہ تھیلی وہیں سے تو نکال کر لایا تھا میں۔"

(ماہ طیبہ نومبر ۱۹۶۲ء)

سبق :- حریص و خائن کبھی کامیاب و بامراد نہیں ہوتا۔ اور پرائے مال پہ ہاتھ مارنے والے کے پاس نہ دین رہتا ہے نہ دُنیا۔ اس لیے خیانت و بددیانتی اور حرص و لالچ سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۲۱۱
کتے کی دُم

ایک شخص کو بھوت اپنے بس میں کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ بچارے نے بہت منتر جنتر سیکھے۔ مگر بھوت بس میں نہ آیا۔ لاچار وہ ایک جنگل میں رہنے والے فقیر کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا حضور! مجھے کوئی ایسی ترکیب بتایئے جس سے بھوت میرے قبضے میں آ جائے اور میرا سب کام دھندا کر دیا کرے۔ فقیر عقل مند انسان تھا۔ اُس نے کہا۔ بھوت بُرے ہوتے ہیں۔ اس خیال خام سے باز آجاؤ تم اس کو کام کاج نہ بتا سکو گے۔ آخر میں وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اس نے کہا میرے پاس کام کاج بہت ہیں جن سے وہ کبھی فرصت نہ پا سکے گا۔ آخر اس فقیر نے اُسے ایک عمل بتا دیا۔ یہ گھر آکر وہ عمل کرنے لگا۔ جب میعاد مقررہ پر عمل پورا ہو گیا۔ تو بھوت حاضر ہو گیا۔ بھوت حاضر ہو کر کہنے لگا۔ بتاؤ کیا کروں؟ اس نے کہا۔ ایک شاندار عمارت بنا دو۔ ایک پل میں شاندار عمارت تیار ہو گئی۔ اس نے کہا۔ کھیت جوت آؤ۔ اور کھیت جوتا ہوا تیار تھا۔ اُس نے کہا۔ بہت سا روپیہ لاؤ۔ خزانہ وہیں حاضر۔ غرض جو مشکل سے مشکل اور مختلف کام

اس کو بتاتے گئے۔ سب کچھ کیا کرایا تیار۔ اب کوئی کام نہ رہا بھوت نے کہا کوئی کام بتاؤ۔ ورنہ میں تم کو ہلاک کر دوں گا۔ یہ ڈرا اور دوڑ کر فقیر کے پاس آیا۔ اور کہا حضور! بھوت جو کچھ کہتا ہوں وہ جھٹ پٹ کر دیتا ہے۔ اب میرے پاس کوئی کام نہیں۔ بتاؤ اب کیا کروں؟ ورنہ مجھ کو وہ ہلاک کر دے گا۔ اتنے میں بھوت بھی "میں کھاؤں۔ میں کھاؤں" کرتا وہاں پہنچ گیا۔ فقیر کے پاس ایک کتا بیٹھا تھا۔ اس نے اس آدمی کو ایک خنجر دے کر کہا۔ کہ اس کتے کی دم کاٹ کر بھوت کو دو۔ اور اسے کہو کہ اسے سیدھی کر دے۔ اس آدمی نے ایسا ہی کیا۔ اور کتے کی دم کاٹ کر بھوت کو دے کر کہا۔ کہ لو یہ کام کرو۔ کہ اسے سیدھی کر دو۔ بھوت نے کتے کی دم ہاتھ میں لی۔ ایک دفعہ سیدھی کر دی۔ پھر جب اس کو چھوڑا تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔ ایک دن گزرا۔ دو دن گزر گئے بھوت نے ہزار کوشش کی۔ مگر کتے کی دم سیدھی نہ ہوئی۔ تب تو بھوت بہت گھبرایا اور اس آدمی سے کہنے لگا۔ بھائی! جو کچھ میں نے دھن دولت، روپیہ پیسہ تجھ کو دیا۔ وہ سب کچھ تیرا۔ اب مجھ کو چھٹی دے۔ تو جیتا اور میں ہارا۔ یہ فوراً راضی ہو گیا۔ بھوت اپنے ٹھکانے گیا۔ اور یہ اپنے گھر چلا آیا۔

(ماہ طیبہ جنوری ۱۹۶۳ء)

سبق:- دنیا بھی کتے کی دم ہے۔ کوئی ہزار کوشش کرے یہ کبھی سیدھی نہ ہوگی۔ حضرت انسان نے اسے سیدھا کرنے کی

بہت کوششیں کیں۔ بہت سی تدبیریں کیں۔ شفا خانے بنائے۔ لیکن مریض مرتے ہی رہے۔ مدرسے اور کتابیں تعلیم و اصلاح کے لیے جاری کیں۔ لیکن بدکاریاں اسی طرح جاری ہیں۔ انصاف گاہیں بنیں۔ مگر جرائم بدستور موجود رہے۔ الغرض یہ دنیا کبھی سیدھی نہ ہوئی ہے۔ اور نہ ہوگی۔ اس کے سینکڑوں کام ختم کیجئے۔ تو ہزاروں اور تیار نظر آئیں گے۔ پس ہمیں اس کی نیرنگی سے عبرت حاصل کر کے اپنی زندگی کو سنوارنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۳۷۰

دُور اندیشی

ایک شخص نے ایک جگہ مال دفن کیا۔ اور اس پر ڈھکن رکھ کر بہت سی مٹی اُوپر ڈال دی۔ پھر اس کے اوپر ایک کپڑے میں لپیٹ کر بیس دینار رکھے۔ اور ان پر بھی بہت سی مٹی ڈال کر جما دی اور چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب اُسے اپنے مال کی ضرورت ہوئی۔ تو اس نے اس مقام کو کھود کر دیکھا۔ تو وہ بیس دینار غائب تھے۔ پھر اس نے نیچے والی بڑی مقدار کا مال کھود کر دیکھا۔ تو وہ

بدستور موجود تھا۔ تو اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ کہ اس کا یہ مال بچ گیا اور اس نے اسی اندیشہ کی بنا پر ایسا کیا تھا۔ کہ شاید کوئی شخص مجھے مال دفن کرتے ہوئے دیکھتا ہو۔ تو وہ اوپر والے بیس دینار پاکر یہ سمجھے۔ کہ اتنا ہی مال دبایا گیا تھا۔ اور وہی لے کر چلتا بنے۔ اور زیادہ مال کی طرف اس کا خیال بھی نہ جائے۔

(کتاب الاذکیا ص۲۹۱)

سبق:۔ دور اندیشی و حکمت سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور انسان نقصانات سے محفوظ رہتا ہے۔

حکایت نمبر ۴۰۴

زوج القحبہ

ہندوستان کا ایک شاعر ایک امیر کے پاس گیا۔ اور اس کی مدح کی۔ اس امیر نے یہ جانتے ہوئے کہ شاعر عربی زبان نہیں سمجھتا۔ کہا تَقَدَّمْ یَا زَوْجَ الْقُحْبَۃ یعنی "اے بدکار عورت کے خاوند آؤ!" شاعر نے امیر سے پوچھا۔ "زوج القحبہ" کا کیا مطلب ہے؟ تو امیر نے کہا کہ لغت عرب میں اس لفظ سے

اس شخص کو مراد لیا جاتا ہے۔ جو شاندار مرتبہ کا ہو۔ اور جس کا بڑا محل ہو۔ اور اس کے پاس مال اور سواریاں بہت ہوں۔ اور بہت سے اس کے غلام ہوں۔ شاعر نے کہا۔ تو واللہ! اے امیر! آپ دنیا کے سب سے بڑے "زوج القحبہ" ہیں۔ امیر یہ سن کر بڑا شرمندہ ہوا۔ اور کچھ نہ کہہ سکا۔ (کتاب الاذکیا صہ ۳۰۵)

سبق: کسی سے مسخرہ پن اور استہزاء کرنا بہت بُری بات ہے۔ اور اس قسم کی حرکت سے آدمی کو بعض وقت بڑی ندامت کا سامنا ہوتا ہے۔ پس ہر شخص کو ایسی بُری حرکت سے بچنا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۱۷۵

زمین کا بوجھ

خلیفہ الحکم کو اپنا محل بنوانا تھا۔ اتفاق سے جو زمین پسند کی گئی۔ اس میں ایک غریب بیوہ کا جھونپڑا آتا تھا۔ اس بیوہ سے کہا گیا۔ کہ یہ زمین قیمتاً دے دے۔ مگر اس نے انکار کیا۔ خلیفہ نے زبردستی اس زمین پر قبضہ کر کے محل بنوالیا۔ اس بیوہ نے قاضی کی

عدالت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی۔ قاضی نے اسے تسلی دے کر کہا۔ کہ اس وقت تم جاؤ۔ میں کسی مناسب وقت تیرا انصاف کرنے کی کوشش کرونگا۔ خلیفہ الحکم جب پہلے پہل محل اور باغ ملاحظہ کرنے گیا۔ تو اسی وقت قاضی بھی وہاں خود ایک گدھا اور ایک خالی بورا لے کر گیا۔ اور خلیفہ سے وہاں سے مٹی لینے کی اجازت چاہی۔ اجازت دی گئی۔ اس نے بورے میں مٹی بھر کر عرض کی۔ مہربانی کر کے اس بورے کے اٹھانے میں میری مدد کی جائے۔ خلیفہ نے اُسے ایک مذاق سمجھا۔ اور بورے کو ہاتھ لگا کر اُسے اٹھانے کی کوشش کی۔ چونکہ وزن زیادہ تھا۔ خلیفہ سے ذرا بھی نہ اُٹھا۔ اس وقت قاضی صاحب نے کہا

"اے خلیفہ! جب تو اتنا بوجھ اُٹھانے کے قابل نہیں تو قیامت کے دن جبکہ ہم سب کا مالک انصاف کرنے کے لیے عرش پر جلوہ افروز ہوگا۔ اور جس وقت وہ غریب بیوہ جسکی زمین تو نے بزور لے لی ہے، اپنے پروردگار سے انصاف کی خواہاں ہوگی۔ تو اس زمین کے بوجھ کو کس طرح اُٹھا سکے گا۔؟"

خلیفہ اس تقریر سے بڑا متاثر ہوا۔ اور فوراً وہ محل معہ تمام چیزوں کے اُس بڑھیا کو دے دیا۔

(مخزن اخلاق ص۲۱۴)

سبق:۔ اپنی امارت اور بڑائی کے زعم میں کبھی کسی غریب کے حق پر ہاتھ نہ ڈالنا چاہیئے۔ اس لیے کہ کل قیامت کے روز خداوند کریم نے ہر بات کا فیصلہ فرمانا ہے۔ اور ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دینی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک دل حاکم قیامت کے ہولناک دن کا خوف اپنے دل میں رکھتے ہیں اور اس دن کی سختی سے بچنے کے لیے عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔

حکایت نمبر ۲۷۶

ایک لاکھ دینار

ایک امیر آدمی مر گیا۔ تو اس کی وراثت سے ایک لاکھ دینار اس کے لڑکے کو ملے۔ لڑکا حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ میں چاہتا ہوں۔ یہ ایک لاکھ دینار آپ پر خرچ کر دوں۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ تو بالغ ہے یا نابالغ؟ وہ بولا نابالغ ہوں۔ فرمایا۔ کہ جب تک تو بالغ نہ ہو لے۔ تب تک اس مال کا خرچ کرنا تجھے روا نہیں۔

جب وہ لڑکا جوان ہوا۔ تو اس نے حضرت ذوالنون کے ہاتھ

پر توبہ کی۔ اور وہ ایک لاکھ دینار درویشوں پر خرچ کر دیئے۔ ایک روز وہ جوان درویشوں کے پاس آیا۔ اتفاق سے ان درویشوں کو کوئی کام درپیش تھا۔ جس میں انہیں کچھ رقم کی ضرورت تھی۔ وہ جوان ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگا۔ کہ ہائے اگر میرے پاس اور سو ہزار دینار ہوتے تو میں ان سب کو بھی ان درویشوں پہ خرچ کرتا۔ حضرت ذوالنون یہ بات سُن کر سمجھ گئے۔ کہ وہ اصل کار سے غافل ہے اور اس کی نظر میں قدر و عزت درہم و دینار کی ہے۔ آپ نے اس جوان کو اپنے پاس بلا کر کہا۔ کہ فلاں عطار کی دکان پر جاؤ۔ اور میری طرف سے کہو۔ کہ تین درہم کی فلاں دوا دے دو۔ وہ جوان گیا اور وہ دوا لے کر آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کو اوکھلی میں ڈال کر رگڑ دو۔ اور پھر تیل میں گوندھ کر اس کی تین گولیاں بناؤ۔ اور ہر ایک گولی میں سوئی کے ساتھ سوراخ کر کے میرے پاس لے آؤ۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور تین گولیاں تیار کر کے لے آیا۔ آپ نے ان گولیوں کو ہاتھ میں لے کر ملا۔ اور ان پر کچھ پھونک دیا۔ ایک دم وہ تینوں گولیاں یاقوت کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ کہ کبھی اس جوان نے ویسے نہ دیکھے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ انہیں بازار میں لے جاؤ۔ اور دیکھو کہ کیا قیمت اٹھتی ہے؛ لیکن بیچنا نہیں! وہ جوان بازار میں گیا۔ اور وہ ٹکڑے دکھائے۔ ہر ایک کی سو ہزار دینار قیمت لگی۔ واپس لے آیا۔ اور کہا۔ کہ یہ قیمت اُٹھتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اب پھر انہیں او کھلی میں ڈالو۔ اور انہیں چورا کر دو۔ اور خبردار! کہ یہ درویش روٹی پیسے کے بھوکے نہیں ہیں۔ ان کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ اس جوان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اس کی نظر میں مالِ دنیا کی کچھ وقعت نہ رہی۔

(تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۴۲)

سبق : اللہ کے بندوں کو بظاہر مفلوک الحال دیکھ کر یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ان کے پاس کچھ نہیں۔ ان کے پاس سب کچھ ہوتا ہے۔ اور وہ سب کچھ پاسکتے ہیں۔ مگر ان کے دل میں مالِ دنیا کی کچھ بھی وقعت نہیں ہوتی۔ اور ان کا فقر فقرِ اختیاری ہوتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۷۷
لذیذ کھانا

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے دس برس تک کوئی لذیذ کھانا تناول نہ فرمایا۔ نفس چاہتا رہا۔ اور آپ نفس کی مخالفت فرماتے رہے۔ کہ میں اپنے نفس کا کہا ہرگز نہ مانوں گا۔ ایک بار عید کی رات کو دل نے کہا۔ کہ کل عید کے روز اگر کوئی لذیذ کھانا کھا لیا

جائے۔ تو کیا حرج ہے۔ حضرت نے اپنے دل سے کہا کہ میں دو رکعت نفل پڑھوں گا۔ اور ہر دو رکعت میں پورا قرآن ختم کروں گا۔ اگر تو اس بات میں میرے ساتھ موافقت کرے۔ تو کل لذیذ کھانا مل جائیگا۔ چنانچہ آپ کے دل نے اس امر میں موافقت کی اور آپ نے دوسرے روز یعنی عید کے دن لذیذ کھانا منگوایا۔ نوالہ اُٹھا کر منہ میں ڈالنا ہی چاہتے تھے۔ کہ پھر رکھ دیا اور نہ کھایا۔ یاروں نے اس کی وجہ پوچھی۔ تو فرمایا۔ جس وقت میں نوالہ منہ کے قریب لایا۔ تو دل نے کہا۔ کہ دیکھا۔ میں آخر اپنی دس سال کی خواہش میں کامیاب ہو ہی گیا نا! میں نے اُسی وقت کہا۔ کہ اگر یہ بات ہے تو میں تجھے ہرگز کامیاب نہ ہونے دوں گا۔

اسی وقت ایک شخص ایک لذیذ کھانے کا طباق اٹھائے ہوئے حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ یہ کھانا میں نے اپنے لیے رات کو تیار کیا تھا۔ رات کو خواب میں مَیں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضور نے مجھ سے فرمایا۔ کہ اگر تو کل قیامت کے روز بھی مجھے دیکھنا چاہتا ہے۔ تو یہ کھانا ذوالنون کے پاس لے جا۔ اور ان سے جا کر کہہ کہ

حضرت مُحَمَّدْ بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کرتے ہیں۔ کہ دم بھر کے لیے نفس کے ساتھ صلح کر لو۔ اور چند

نوالے اس لذیذ کھانے سے کھالو۔

حضرت ذوالنون یہ پیغامِ رسالت سن کر وجد میں آگئے۔ اور کہنے لگے۔ میں فرمانبردار ہوں۔ میں فرمانبردار ہوں۔ اور لذیذ کھانا کھانے لگے۔
(تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۴۴)

سبق: اللہ کے مقبول بندے نفس کے غلام نہیں ہوتے۔ اور نفسانی خواہشات کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور وہ اللہ کی عبادت و اطاعت ہی میں خوش رہتے ہیں۔ اور ان کی یہ شان ہوتی ہے۔ کہ اللہ و رسول کی خاطر وہ لذائذ دنیوی سے مجتنب رہتے ہیں اور خدا اور اس کا رسول خود انہیں کھلاتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے حالات سے آج بھی باخبر ہیں۔

حکایت نمبر ۲۰۰

ہوا

حضرت ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے آکر کہا۔ کہ فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے۔ فرمایا۔ کہ یہ کوئی کمال نہیں۔ کمال یہ ہے کہ نفس

کی ہوا کی مخالفت کرے۔ نفس کی ہوا کی مخالفت کرنا ہوا میں اُڑنے سے کہیں زیادہ افضل واعلیٰ ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۵۲۵)

سبق: اتباعِ شریعت سب سے بڑا کمال ہے۔ اور اتباعِ شریعت ہی سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔ ہوا میں اُڑنا یا پانی کی سطح پر چلنا کوئی کمال نہیں۔ یہ باتیں اللہ کے مقبولوں کے سامنے ایک کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

حکایت نمبر۲۷۰

ایک تاجر

ایک تاجر اپنے اونٹ پر بہت سا مالِ تجارت لاد کر مصر گیا۔ مصر پہنچا۔ تو وہاں ہجوم میں اپنا اونٹ معہ سامان کے کھو بیٹھا بڑا پریشان ہوا۔ اور اُونٹ کی کافی تلاش کی۔ مگر وہ نہ ملا۔ ایک شخص نے اس سے کہا۔ کہ یہاں ایک بہت بڑے بزرگ حضرت ابو العباس دینوری ہیں۔ ان کی خدمت میں جاؤ۔ وہ دُعا کریں گے۔ تو تمہارا اُونٹ معہ سامان کے مل جائے گا۔ چنانچہ وہ تاجر حضرت ابو العباس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔

کہ حضور! میرا اُونٹ معہ سامان کے گم ہو گیا ہے۔ میرے لیے دُعا فرمایئے۔ حضرت نے اس کی اس بات کا تو کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اتنا کہا کہ آج ہمارے پاس دو مہمان آئے ہیں۔ ان کے لیئے کچھ آٹا اور کچھ گوشت درکار ہے۔ تاجر نے جب یہ سُنا۔ تو دل ہی دل میں کہنے لگا۔ کمال ہے میں اپنا دکھ بیان کر رہا ہوں اور انہیں اپنے آٹے گوشت کی پڑی ہے بد دل ہو کر واپس آ گیا۔ اور واپس آتے ہوئے اُسے اپنا ایک مقروض نظر آیا۔ جس سے اس نے کافی رقم لینا تھی۔ یہ اس کے درپے ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ آج تو میں کچھ نہ کچھ لے کر ہی چھوڑوں گا۔ اس نے ساٹھ درہم ادا کر دیئے۔ یہ تاجر بازار گیا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ کہ حضرت ابوالعباس نے آٹے اور گوشت کا کہا تھا۔ روپے مل ہی گئے ہیں۔ چلو یہ چیزیں خریدلو۔ اور چل کر حضرت ابوالعباس کو دو۔ یا تو سب کچھ مل گیا۔ اور یا پھر یہ ساٹھ درہم بھی گئے۔ چنانچہ اس نے کچھ آٹا، کچھ گوشت اور باقی پیسے جو بچے ان سے کچھ میٹھی چیزیں بھی خریدلیں۔ اور سب کچھ لے کر حضرت ابوالعباس کے پاس جانے لگا۔ جب حضرت کے مکان کے قریب پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ان کا اُونٹ معہ سامان کے ان کے دروازے کے پاس کھڑا ہے یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ قریب جا کر دیکھا تو واقعی اس کا اپنا ہی اُونٹ تھا۔ اور سامان بھی سارا موجود تھا۔ خوشی سے اندر گیا۔ اور سب چیزیں حضرت ابوالعباس

کے آگے رکھ دیں۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا۔ کہ آٹے اور گوشت کے علاوہ یہ چیزیں کیسی ہیں؟ تاجر نے کہا: حضور! یہ میں اپنی طرف سے زائد لے آیا ہوں۔ فرمایا۔ مگر معاہدہ میں یہ چیزیں تو شامل نہ تھیں۔ اچھا۔ اگر تم لے آئے ہو تو ہم بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ جاؤ اپنا سامان منڈی میں لے کر جاؤ۔ اور اپنا سامان اچھی قیمت پہ بیچو۔ اور کسی دوسرے تاجر کے آجانے کا خوف مت کرنا۔

البحر فی یمینی والبر فی شمالی

دریا میرے دائیں ہاتھ میں اور خشکی میرے بائیں ہاتھ میں ہے۔ مطلب یہ کہ جب تک تم اپنا مال خاطر خواہ داموں پہ بیچ نہ لوگے۔ دوسرا کوئی تاجر منڈی میں نہ آئے گا۔ چنانچہ یہ تاجر منڈی میں پہنچا۔ تو اور کوئی دوسرا تاجر وہاں موجود نہ تھا۔ اس نے اپنا سب مال اچھے داموں میں بیچ لیا۔ تو پھر دیکھا کہ ایک دم دوسرے تاجر بھی آگئے۔ اور یہ کافی نفع حاصل کر کے وہاں سے لوٹا۔

(روض الریاحین صـ۲۱)

سبق: اللہ والوں کی بارگاہ میں حاضری سے بڑی بڑی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ اور ان کی کسی بات کے متعلق بدگمانی اچھی نہیں۔ ان کی ہر بات میں کئی بھید ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ والے اپنے اللہ کی مرضی کے تابع ہو کر سارے عالم پہ

منصرف ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ان کے اللہ ہی کی ان پر عطاء ہوتی ہے۔

حکایت نمبر ۸۰

ایک جنّ

حضرت ابوالفضل جوہری مصری علیہ الرحمۃ کی ایک شخص نے بڑی تعریف سُنی۔ اور وہ ان کی زیارت کی نیت سے مصر کو روانہ ہوا۔ جب حضرت کی مجلس میں پہنچا، تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت نے بڑا شاندار لباس پہن رکھا ہے۔ اور بڑے امیر نظر آ رہے ہیں۔ اس نے دل میں سوچا۔ کہ اس قدر دنیوی شان و شوکت رکھنے والا خدا کا بندہ نہیں ہو سکتا یہ سوچ کر واپس چلا آیا۔ واپسی میں ایک گلی سے گزرتے ہوئے ایک عورت کو دیکھا جو رو رہی تھی۔ اور بڑی پریشان تھی۔ اس نے وجہ دریافت کی تو بولی۔ کہ میری ایک ہی نوجوان لڑکی ہے۔ اس کی شادی کا دن قریب ہے۔ اور آج اچانک اس پر کسی جنّ کا سایہ ہو گیا ہے۔ اور وہ سخت بیمار ہے۔ میں غریب عورت ہوں۔ اور پریشان ہوں۔ کہ جنّ کے قبضہ سے وہ کیسے نکلے۔ اس نے کہا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ اس کا علاج میرے ذمہ رہنے دو۔ اور چلو مجھے اپنی لڑکی کے پاس لے چلو۔

چنانچہ وہ عورت اسے گھر لے آئی۔ اس نے لڑکی کو دیکھا۔ جو عجیب و غریب حرکات کر رہی تھی۔ اس نے قرآن پاک کی آیات پڑھ کر اس پر دم کرنا شروع کیا۔ تو جن بزبان فصیح بولا۔

"سن لو میں ان سات جنوں میں سے ہوں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر ایمان لائے تھے۔ ہم ساتوں آج حضرت ابو الفضل کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ وہی حضرت ابو الفضل جن کے متعلق تم اپنے دل میں بدگمانی پیدا کر کے لوٹ آئے ہو۔ بدنصیب ہو تم جو لوٹ آئے۔ ہم ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو حاضر ہوئے تھے اس لڑکی نے ہم پر نجاست پھینکی۔ میرے ساتھی تو بچ گئے۔ مگر وہ نجاست مجھ پر پڑی۔ اور میں نماز سے رہ گیا۔ اسی غصہ سے میں نے اسے پکڑا ہے۔ اور تم نے بھی جو حضرت ابو الفضل کے متعلق بدگمانی کی ہے۔ اس کا بھی مجھے رنج ہے۔ تم توبہ کرو۔ اور حضرت کی خدمت میں پھر حاضری دو۔" اس شخص نے کہا۔ اچھا میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ اور ابھی پھر واپس جاتا ہوں۔ مگر تم بھی اب اس لڑکی کو معاف کر دو۔ چنانچہ اس جن نے کہا۔ لو میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر جن چلا گیا۔ اور لڑکی اچھی ہو گئی۔

پھر یہ شخص بھی واپس ہوا۔ اور حضرت ابو الفضل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت ابو الفضل نے اسے آتا ہوا دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"جب تک جنّ نے نہیں کہا تم نے ہماری بزرگی تسلیم نہیں کی۔" (روضۃ الریاحین صفحہ ۲۱۵)

سبق: اللہ والوں سے کبھی بدگمان نہ ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں کے دلوں میں بہرحال اللہ کی یاد ہوتی ہے۔ اور دنیا سے ان کا تعلق محض ظاہری اور کئی حکمتوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ والوں کی مقبولیت جنّوں میں بھی ہوتی ہے۔ اور یہ نفوس قدسیہ جنّ و انس کے مرجع و متبوع ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ والوں پر دلوں کے ارادے اور خیالات بھی منکشف ہو جاتے ہیں۔

حکایت نمبر ۱۸۷

ماں کا حق

ایک شخص نے اپنی ماں کو کندھے پر سوار کر کے سات حج کرائے۔ ساتویں حج پر خیال آیا۔ کہ شاید میں نے حق مادری ادا کر دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا۔ کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ سردی سخت تھی۔ تو بچہ تھا۔ ماں کے پاس سو رہا تھا۔ تو نے پاخانہ پھر دیا۔ تیری ماں نے اٹھ کر بستر دھویا۔ غریبی کی وجہ سے دوسرا بستر نہ تھا۔ اسی گیلے بستر پر کڑکتی سردی میں لیٹ

گئی۔ اور تجھ کو رات بھر اپنے سینے پر لٹائے رکھا۔ تو کہتا ہے۔ حق ادا ہو گیا۔ اے نادان! ابھی تو اس ایک رات کا بھی حق ادا نہیں کر سکا۔ (تعلیم الاخلاق صہ ۲۶۴)

سبق: ماں باپ کا بہت بڑا حق ہے۔ اور باپ سے بھی زیادہ ماں کا حق ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے ماں باپ کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کو خوش کر لیتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں باپ کی جتنی بھی خدمت کی جائے کم ہے۔

اہل عرب کی فصاحت و بلاغت اور
ذہانت کی دو دلچسپ حکایتیں

حکایت نمبر ۲۸۷

عرب کا ایک مہمان اور ایک لڑکی

عرب کا ایک شخص قبیلہ بنی عامر کی کسی عورت کے یہاں مہمان ہُوا۔ مہمان نوازی تو اہل عرب کے رگ و پے میں سرایت کئے ہُوئے تھی۔ اس لیے خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ اتفاق سے جس روز وہ جانے لگا۔ اس کی زبان سے یہ شعر نکلا کہ جس میں قبیلہ بنی عامر کی ہجو تھی۔

لعمرك ما تبلی سرابیل عامر   من اللؤم ما دامت علیها جلودها

ترجمہ: (اے مخاطب) مجھ کو تیری جانِ عزیز کی قسم! قبیلہ بنی عامر کے بدن پر جب تک ان کی کھال (سالم) رہتی ہے اس وقت تک وہ (اپنے) کرتوں کو پرانا نہیں ہونے دیتے۔ یعنی بدنی تکالیف کو وہ مالی نقصان کی بہ نسبت بہت آسان سمجھتے ہیں۔

اپنے مذاق کے موافق وہ اس شعر کو آہستہ آہستہ گنگنا رہا تھا۔ اتفاق سے اس میزبان عورت نے بھی سن لیا۔ اوّل تو اشعار ہجویہ علی العموم قتل کر دینے والے سلاح سے زیادہ سمجھتے تھے۔ اور اگر اس پر نظر

ڈالی جاوے کہ قتل میں تلعب روح ہے۔ اور تجھ میں آبرو ریزی۔ تو ایک حد تک یہ خیال فاسد بھی نہ تھا۔ دوسرے مہمان نوازی کے پورے احسان کے بدلے میں ایسی سرد مہری قابل برداشت بھی نہ تھی۔ تاہم اس نے ضبط سے کام لے کر اپنی لونڈی کے ذریعے سے مہمان سے پوچھا۔ کہ میں نے آپ کی مدارات اور خاطر میں کوئی کوتاہی کی تھی ؟ اس نے کہا۔ کہ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ لونڈی نے کہا۔ کہ پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی۔ کہ آپ اس قسم کے اشعار تصنیف کریں۔ جن سے ہمارے قبیلہ کی کسر شان ہوتی ہے۔ اس نے کہا۔ کہ میری زبان سے یہ شعر بغیر قصد کے نکل گیا۔ میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ لونڈی نے یہی جواب اس میزبان عورت کو سنا دیا۔ مہمان کو خیال تھا۔ کہ خدا جانے یہ عورت کیا فتنہ برپا کرے گی۔ میں اسی کے قبیلہ میں ہوں۔ اگر اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہہ دیا۔ تو وہ میری جان کے درپے ہوں گے۔ اس لیے چاہتا تھا۔ کہ جلد سے جلد وہاں سے روانہ ہو جاوے تھوڑی دیر نہ گزری تھی۔ کہ ایک نوعمر بچی کو دیکھا۔ کہ وہ مکان سے نکل کر باہر آئی۔ اور اس مہمان کے پاس بیٹھ کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ اس لڑکی کی باتیں کچھ ایسی پیاری پیاری تھیں۔ کہ وہ شخص اس کی باتوں میں اپنے اس خوف کو بھی بھول گیا۔ جو ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ اس کو جلد روانہ ہو جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ جب اس لڑکی نے اپنی خدا داد

فراست سے معلوم کر لیا۔ کہ مہمان اب مطمئن ہو گیا ہے۔ تو باتوں باتوں میں اس سے دریافت کیا۔ کہ اے ابن عم! (چچازاد بھائی) آپ کس قبیلہ کے ہیں۔ جواب دیا کہ میں قبیلہ تمیم کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں کہ جس کے یہ شعر ہیں۔

تمیم بطرق اللوم اھدیٰ من القطا ولو سلکت سبل المکارم ضلت

قبیلہ تمیم کو قطا (ایک جانور کا نام ہے جو پانی کا پتہ لگانے میں ضرب المثل ہے) سے زیادہ دنائیت اور کمینہ پن کا راستہ معلوم ہے۔ اور اگر وہ عزت اور شرافت کے راستوں پر چلتے تو (یقیناً) گمراہ ہوتے۔

ارى الليل يجلوه النهار ولا ارى خلال المخازي عن تميم تجلت

میں دیکھتا ہوں کہ رات کی ظلمت کو دن دور کر دیتا ہے مگر میں نے ذلت اور رسوائیوں کی عادتوں کو تمیم سے علیحدہ ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

ولو ان برغوثا على ظهر قملة يكر على صفي تميم لولت

(ان کی نامردی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ) اگر کوئی مچھر جوں کی پیٹھ پر (سوار ہو کر) قبیلۂ تمیم کی دونوں صفوں پر حملہ کر دے۔ تو ان کو بجز بھاگنے کے اور کچھ بھی بن نہ پڑے۔

ولو جمعت یوماً تمیم جموعها ــــ علیٰ ذرۃ مربوطۃ لاستقلت

اگر قبیلۂ تمیم مع اپنی تمام جماعتوں کے کسی بندھی ہوئی چیونٹی پر حملہ کردیں تو وہ چیونٹی (بھی) ان کو قلیل سمجھے۔

تمیم کجحش السوء یرضع امہ ــــ ویتبعہا بالرغوان ھی ولت

قبیلۂ تمیم گدھے کے بدتر اور ذلیل بچہ کی طرح ہے کہ اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے۔ اور اگر ادھر ادھر ہو جاتی ہے تو بہزار ذلت اس کے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔

ذبحنا فسمینا علیٰ ما ذبیحنا ــــ وما ذبحت یوماً تمیم فسمت

ہم نے (مہمان نوازی میں) جانور ذبح کیے اور ان پر خدا کا نام لیا۔ لیکن قبیلۂ تمیم نے ایک دن بھی ذبح نہ کیا۔ کہ ان کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کی نوبت آتی۔

اگرچہ چھوٹی لڑکی کے سوال کا ظاہری منشا اُس شاعر کا نام معلوم کرنا تھا۔ مگر مہمان ایسا بیوقوف نہ تھا۔ کہ لڑکی کے الفاظ کا مطلب یہی سمجھتا۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ اس سے لڑکی کا منشا کیا ہے۔ اور اگرچہ یہ اشعار اس خورد سال لڑکی کی بدیہہ گوئی اور تیزی طبع کا نتیجہ تھے۔ مگر مہمان کو یہ خیال ہوا کہ کسی شخص نے قبیلۂ تمیم کی ہجو کی ہے جو اس قدر مشہور ہوئی کہ بچے بچے کی زبان پر ہے۔ ذلت کے خیال سے کانپ گیا۔ سر سے پیر تک پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اور ذلت سے بچنے کی کوئی تدبیر بجز اس کے سمجھ میں نہ آئی۔

کہ اپنے بیان کا انکار کرے۔ چنانچہ اس نے ان اشعار کو سن کر گھبرا کر کہا۔ عزیزہ بہن! میں سفر کی تیاری میں مصروف تھا۔ تم نے میرے قبیلہ کا حال دریافت کیا۔ میرا دل تو سامان سفر میں مشغول تھا۔ زبان سے بے اختیاری میں نکل گیا۔ کہ میں قبیلۂ تمیم کا شخص ہوں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میرا نسب قبیلۂ تمیم سے نہیں ملتا ہے۔ نہ میں اس قبیلہ میں سے ہوں۔

لڑکی : جھوٹ سے زیادہ شرمناک چیز خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے مشکل مل سکے گی۔ اچھا! اگر آپ قبیلۂ تمیم میں سے نہیں ہیں تو پھر کس قبیلہ سے ہیں؟

مہمان : عزیزہ بہن! خدا کی قسم میں نے جو کچھ کہا، سچ کہا۔ مجھ کو ضرورت کیا تھی۔ کہ میں جھوٹ کی نجاست سے اپنی زبان کو آلودہ کرتا۔ شاید تم نے سنا ہوگا۔ کہ عرب میں ایک بہت ہی ذی عزت قبیلہ بنی ضبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ میں اس کا ایک شخص ہوں۔ ممکن ہے کہ تم نے اس کے وہ اوصاف اور مفاخر بوجہ کم سنی اور دور ہونے کے نہ سنے ہوں۔ جن کو عرب کا چھوٹا بڑا جانتا ہے۔ لیکن غالباً نام ضرور سنا ہوگا۔

لڑکی : آپ نے بجا فرمایا۔ میں چند شعر اور پڑھوں گی۔ آپ ازراہ کرم بتلا سکیں گے کہ یہ شعر کس کے ہیں؟

لقد ذرقت عيناك يا ابن معكبر　　　كما كل ضبي من اللوم ازرق

اے ابن معکبر! خدا کی قسم! تیری آنکھیں نیلی ہو گئی ہیں۔ جس طرح کہ قبیلہ ضبہ کا ہر ہر شخص دنائیت کی وجہ سے نیلگوں چشم ہے۔

مہمان نے جب شعر سنا تو دل میں اپنے آپ کو خود ہی ملامت کرنے لگا۔ کہ خواہ مخواہ جھوٹ بھی بولا۔ اور کام بھی نہ چلا۔ اگر نام لیا ہی تھا تو کسی ایسے قبیلہ کا نام لیا ہوتا جو ایسا ذلیل تو نہ ہوتا کہ اس کی ہجو کے اشعار بچہ بچہ کی زبان پر ہیں۔ اس لڑکی کی بھی کچھ عمر ہے؟ اس قبیلۂ بنی ضبہ کی دنائیت یہاں تک تو پہنچ گئی کہ اس کی ہجو کے اشعار اس خورد سال لڑکی کے کانوں تک پہنچ گئے۔ اب میں کس منہ سے کہوں کہ میں اس قبیلہ کا نہیں ہوں۔ اس نے میرے پہلے انکار ہی کی کب تصدیق کی تھی جو اب کرے گی۔ لیکن یہ ذلت تو قابل برداشت نہیں کہ میں ایسے قبیلہ کی طرف منسوب ہوں جس کی ہجو لیوں زبان زد ہو اور سبقت لسانی تو آخر بڑے بڑے فصحا اور بلغا سے ہوا کرتی ہے۔ اگر میں بھی سبقت لسانی کا اعتراف کر لوں گا تو کونسا گناہ ہے۔ یہ خیالات تھے۔ جو مہمان کے دل میں آن کی آن میں بجلی کی طرح ادھر سے اُدھر تک دوڑ گئے۔ اور ذرا سی دیر میں عزت کے خیال نے یہ فیصلہ سُنا دیا۔ کہ اس ذلت سے جھوٹ اچھا ہے۔ اس لیے اس نے لڑکی

سے ندامت آمیز لہجہ میں کہا۔

عزیزہ بہن! اب تو غالباً تم کو یقین آگیا ہوگا۔ کہ میں سفر کے سامان اور اس کے انتظام میں ایسا ازخود رفتہ ہو رہا ہوں۔ کہ زبان گویا میرے قابو ہی میں نہیں۔ دیکھو پھر مجھ سے غلطی ہوئی۔ کس قبیلہ کا نام لینا چاہتا تھا۔ اور کس قبیلہ کا نام زبان سے نکل گیا۔ بھلا! مجھ کو بنی ضبہ سے کیا تعلق۔ شاید تم کو یقین نہ آوے۔ مگر میں خدا کی قسم قبیلہ بنی ضبہ میں سے نہیں ہوں۔

لڑکی: "نہیں نہیں!" میں آپ کو دروغ گو خیال نہیں کرتی ہوں۔ بیشک ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ انسان کہنا کچھ چاہتا ہے۔ اور نکلتا کچھ ہے۔ مگر میں بھی چاہتی ہوں کہ آپ کے قبیلہ کا صحیح صحیح حال معلوم کروں۔ تو پھر آپ کس قبیلہ میں سے ہیں؟

مہمان: (دل میں) اس مرتبہ کسی قبیلہ کا نام لینا چاہیئے کہ جو شرافت اور عزت میں اپنی نظیر آپ ہو۔ کسی شخص نے اس کی ہجو نہ کی ہو (لڑکی سے) بہن! میں قبیلہ بنی عجل کا ہوں اور یہ وہ قبیلہ ہے کہ جو شرف اور عزت ....

لڑکی: (بات کاٹ کر) ہاں میں اس قبیلہ کو خوب جانتی ہوں۔ خصوصاً اس وجہ سے اور بھی جانتی ہوں کہ اس کی نسبت دو شعر مجھ کو یاد ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے۔ کہ میں معلوم کروں کہ یہ

دونوں شعر کس نے تصنیف کیے ہیں۔ ؎

اری الناس یعطون الجزیل وانما عطاء بنی عجل ثلاث واربع

میں (شریف) لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ عطائے کثیر (محتاجوں اور مساکین کو) تقسیم کیا کرتے ہیں اور قبیلۂ بنی عجل کی عطا صرف تین اور چار ہی پر موقوف رہتی ہے (یعنی بہت ہی قلیل الخیر لوگ ہیں)۔

اذا مات عجلی بارض فانما یخطلو فیہا ذراع واصبع

جب قبیلہ بنی عجل کا کوئی شخص زمین (کے کسی حصہ) میں مرتا ہے تو (بوجہ ذلیل ہونے کے زیادہ زمین کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ) اس زمین میں صرف ایک ہاتھ اور ایک انگلی (کے برابر) خط کھینچ کر اس میں (دفن) کر دیا جاتا ہے۔

ان شعروں کو سن کر مہمان کی تو یہ حالت ہو گئی کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ حیرت سے لڑکی کا منہ تکنے لگا۔ اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔ کہ اس لڑکی سے میں نے جھوٹ بول کر کہا۔ کہ میں قبیلۂ بنی عجل کا ہوں اور قبیلۂ بنی عجل کی جو کچھ عزت اور وقعت یہاں ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ ان شعروں سے ظاہر ہے کہ اگر اس لڑکی نے گھر والوں سے جا کر کہا۔ کہ ہمارا مہمان قبیلۂ بنی عجل کا ہے تو اس میں

میری کس قدر ذلت ہوگی۔ اور یہاں والے مجھ کو کیسی حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ لیکن! آخر چارہ کار کیا ہے۔ کئی مرتبہ تو جھوٹ بول چکا ہوں۔ اب یہ لڑکی کیوں یقین کرنے لگی۔ خیر! اگر یقین نہ کرے گی تو نہ کرے۔ لیکن مجھ کو تو انکار کر ہی دینا چاہیئے۔ یہ سوچ کر کہنے لگا۔

بہن! اس مرتبہ یا تو تم نے غور سے سُنا نہیں اور یا مجھ سے پھر نام لینے میں غلطی ہوئی۔ میں تو اس وقت ایسی مضطرب حالت میں ہوں کہ اگر کوئی مجھ سے میرا نام بھی پوچھے۔ تو شاید اس کے جواب میں بھی مجھ سے غلطی ہو جاوے۔ اگر تم کو میرے قبیلہ کا حال ہی معلوم کرنا ہے تو ذرا غور سے سنو! میں قبیلۂ ازد کا رہنے والا ہوں۔

لڑکی:- آپ نے بجا فرمایا۔ اس قبیلہ کا حال تو ہمارا بچہ بچہ جانتا ہے۔ اس قبیلہ کے بارہ میں مجھ کو بھی دو شعر یاد ہیں۔ اگر آپ ان کو سننے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو وہ اشعار سنا دوں۔ جس میں اس قبیلہ کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ لیکن اگر آپ کو ان اشعار کے مصنف کا نام معلوم ہو تو بتانے میں دریغ نہ فرمادیں۔

مہمان یہ معلوم کر کے کہ پھر یہ شعر پڑھے گی۔ دل میں تو تھرا اٹھا اور کہنے لگا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ قبیلہ ازد کی ہجو کے اشعار بھی اسکو کسی نے یاد کرا دیئے ہوں۔ تاہم بظاہر اپنا چہرہ نہایت بیوقوفوں اور مطمئنوں کا سا بنا کر کہنے لگا۔ کہ بہن! تم ضرور اشعار سناؤ۔ میرا دل بھی یہی چاہتا تھا

کہ تم مجھ کو شعر سنائیں۔ مجھ کو اگر اس شاعر کا حال معلوم ہو گا۔ تو یقیناً ضرور اور مفصل بیان کروں گا۔

لڑکی تو اجازت کی منتظر تھی۔ فوراً اس نے شعر نہایت خوش آوازی سے پڑھنا شروع کر دیئے۔

فما جزعت ازدیۃ من ختانہا ولا اکلت لحم القنیص المعقب

ولا جاء بالقناص بالصید فی الجنا ولا شربت فی جلد حوت لعب

ترجمہ: قبیلہ ازد کی کوئی عورت ختان سے نہیں گھبرائی اور نہ اس عورت کو تعاقب کیے ہوئے شکار کا گوشت کبھی نصیب ہوا (یعنی شکار کرنا بہادروں کا کام ہے۔ اور ان کے مرد بزدل اور نامرد سے ہیں۔ کہ کسی شکار کا تعاقب کر کے شکار نہیں کرتے ہیں۔ کہ ان کی عورتیں ان کو کھائیں) نہ کوئی شکاری اس کے خیموں میں شکار کا گوشت کبھی لایا۔ (یعنی اگر کچھ بھی عزت دار ہوتے تو بطور تحفہ اور ہدیہ ہی سے ان کے یہاں گوشت شکار کا آجاتا۔ مگر ان کو یہ بھی نصیب نہیں) اور نہ اس نے مچھلی کی کھال کے ظرف میں کوئی چیز پی (اس قسم کے نفیس برتن عرب کے شرفاء میں ہوا کرتے تھے۔)

مہمان ان اشعار کو سنکر بالکل ہی سٹ پٹا گیا۔ اور دل میں

کہنے لگا۔ کہ یہ قصہ کیا ہے؟ میں چھانٹ چھانٹ کر ایسے ایسے قبیلوں کا نام لے رہا ہوں۔ کہ جن کی عزت فخر۔ شہرت تمام عرب میں ضرب المثل ہے۔ اور یہ نوعمر لڑکی اس کے ہجو کے اشعار پڑھ دیتی ہے۔ کیا اس خاندان کے لوگوں نے اسکو بچپن ہی سے قبائل عرب کے ہجویہ اشعار یاد کرا دیئے ہیں۔ کیا اس کے یہاں اسی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو آخر وہ کون ظالم تھا جس نے اس بچی کو اس قسم کے اشعار یاد کرائے؟ اس بچی کا وقت تو ایسا تھا۔ کہ اس کو عمدہ عمدہ اخلاقی اشعار سکھائے جاتے۔ تہذیب کی دیوی بنایا جاتا۔ وہ وہ طریقے سکھائے جاتے کہ جن سے یہ خاوند کے دل پہ قابو پا سکتی۔ دوسرے گھرانے میں جا کر ساس نندوں کے مقابلوں میں کامیاب ہو سکتی۔ یہ بھی کوئی تعلیم ہے۔ کہ اس قسم کے اشعار سے اس کے پاک اور معصوم ذہن کو آلودہ کیا گیا ہے۔ مگر کہیں ایسا تو نہیں۔ کہ یہ لڑکی خود بخود ان اشعار کو تصنیف کر لیتی ہو۔ اگر ایسا ہے۔ تب تو یہ لڑکی غضب کی ذہین اور ذکی ہوگی۔ لیکن اس کی عمر تو اس قابل معلوم نہیں ہوتی۔ مجھ کو اس ادھیڑ بن میں بہت دیر ہوگئی۔ یہ لڑکی اپنے دل میں خیال کرتی ہوگی۔ کہ میں اسی مذموم قبیلہ کا ہوں۔ میرا اس قدر طویل سکوت اپنی ذلت کے اقرار کا کام دے گا۔ مجھ کو جلد انکار کرنا چاہیئے۔ یہ خیال آتے ہی بولا۔ بہن! تم نے اشعار تو نہایت ہی فصیح اور بلیغ یاد کر رکھے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے

کہ میں بھی تمہارا امتحان ہی کر رہا تھا۔ کہ تم کو قبائل عرب کی تحقیق ہے۔ یا اور لوگوں کی طرح صرف ظاہری شہرت پر ہی اکتفا کر لیا ہے۔ سو بحمد اللہ! تم کو قبائل عرب کی اصلی کیفیت کا صحیح علم ہے۔ اور ان کے متعلق اشعار خوب یاد ہیں۔ تم چونکہ خود سمجھدار ہو۔ اس لیے تم سے یہ امید بیجا نہیں کہ تم خود میرے انداز سے سمجھ چکی ہو کہ میں نے اپنے قبیلہ کا صحیح نام نہ بتا کر اپنا نسب چھپانے کی جو کوشش کی تھی اس سے بھی مقصود تھا کہ تمہاری تحقیقات کا حال معلوم کر سکوں۔ اب سنو! میں قبیلہ بنی عبس کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی نے اس تمام تقریر کو بغور سنا اور یہی نہیں کہ زبان سے اس کی تکذیب یا تصدیق نہیں کی بلکہ اپنے چہرے سے بھی ایسے آثار ظاہر نہ ہونے دیئے۔ کہ مہمان کی متجسس نظریں اس کو معلوم کر سکتیں کہ لڑکی نے میری اس رام کہانی کو سچا سمجھا یا جھوٹ۔ اور تقریر ختم ہو چکی تو اپنے پہلے سے مستفسرانہ انداز پر پوچھا۔ کہ جب آپ بنی عبس کے قبیلہ میں سے ہیں۔ تو غالباً یہ معلوم ہوگا۔ کہ یہ شعر کس کا ہے اور شاعر نے اس کو کیوں نظم کیا تھا۔؟ ۔

اذا عبسیۃ ولدت غلاماً فبشرھا بلوم مستفاد

جب قبیلہ بنی عبس کی کسی عورت کے کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کو خوشخبری دے دو۔ کہ اس بچہ کے پیدا ہونے سے

اس کی دنایت میں اور اضافہ ہو گیا۔

مہمان نے جھوٹ بولنے کے جتنے طریقے تھے۔ سب ختم کر لیے تھے اور کوئی بات باقی نہ تھی کہ اس کو کہتا۔ حیا و ندامت کی وجہ سے زمین میں گڑا جاتا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ اس بچی کے سامنے سے اٹھ کر جلد سے مگر جاتا تھا۔ کہ اس میں رہی سہی ذلت اور ہو گی۔ گھبرا کر کہنے لگا۔ کہ بہن! میں نے قبیلۂ بنی عبس کا نام نہیں لیا تھا۔ بنی فزارہ کہا تھا۔ میں تو قبیلۂ بنی فزارہ کا ایک شخص ہوں۔ قبیلۂ بنی عبس تو مجھ سے کوسوں دور ہے۔

لڑکی: آپ نے سچا فرمایا۔ ممکن ہے کہ مجھ سے سننے میں یا آپ سے کہنے میں غلطی ہوئی ہو۔ یہ قبیلۂ بنی فزارہ وہی قبیلہ تو ہے کہ جس کی نسبت کسی شاعر نے یہ شعر کہا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہو گا۔ کہ کس کا ہے

لاتامنن فزاریا خلوت بہ علی قلوصک واکتبہا باسیار

ترجمہ: اگر تم قبیلۂ بنی فزارہ کے کسی شخص کے پاس جاؤ۔ تو وہاں جا کر اپنی اونٹنی (کے کھو کے جانے پر) مطمئن نہ ہو جانا اور اس کو رسیوں سے خوب باندھ دینا۔ (ورنہ چونکہ بخلاف عادت عرب قبیلۂ بنی فزارہ کے شخص مہمانوں کے ساتھ غداری کرتے ہیں۔ اور ان کے مالوں کو خورد برد کر جاویں گے اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔)

شعر کیا تھا کہ مہمان کے خرمن عقل کے لیے برق تھا۔ ہوش وحواس جاتے رہے۔ حیرت سے لڑکی کا منہ تکنے لگا۔ دل ہی دل میں کہنے لگا کہ لڑکی تو حرفوں کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کس ڈھٹائی سے پوچھتی ہے کہ یہ شعر کس کا ہے۔ حالانکہ مقصود مجھ کو ذلیل کرنا ہے۔ اور ذرا اس کے چہرے پر نظر ڈالو تو مسکراہٹ کے آثار بھی معلوم نہیں ہوتے معلوم ہے کہ واقعی اس کو دریافت ہی کرنا مقصود ہے۔ اچھا اس مرتبہ میں ایسے قبیلہ کا نام لوں کہ اس کی ہجو کسی شاعر نے کی ہی نہ ہو۔ اب جھوٹ بولا ہے۔ تو اس لڑکی کو بھی عاجز ہی کر دینا چاہیئے۔ یہ سوچ کر بولا۔ کہ نہیں خدا کی قسم! میں قبیلہ بنی فزارہ کا نہیں ہوں۔

لڑکی: بجا فرمایا۔ تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان: بہن! میں قبیلۂ بجیلہ کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کے ہیں؟

سالناعن بجیلۃ حین جاءت — لتخبر این قدیہا المعار

فما ندری بجیلۃ اذ سالنا — اقحطان ابوہا ام نزار

فقد وقعت بجیلۃ بین بین — وقد خلعت کما خلع العذار

ترجمہ: جب (ہمارے سامنے) قبیلۂ بجیلہ (کی جماعت) آئی تو ہم نے اس کے حال کی تفتیش کی تا وہ بتلا دے کہ اس کے مستقر نے اس کو کس جگہ سے قریب کیا ہے۔ تو جب ہم نے تفتیش

کی تو قبیلہ بجیلہ کی جماعت (یہ بھی) نہ بتلا سکی کہ اس کا نسب قحطان (سردار قبیلہ کا نام ہے) سے ملتا جلتا ہے۔
یا نزار (دوسرے قبیلہ کے سردار کا نام ہے) تو قبیلہ بجیلہ کی جماعت درمیان ہی میں رہ گئی (نہ ادھر نہ ادھر) اور وہ (اپنی جماعت سے اس طرح) نکال دی گئی جس طرح لگام اتار کر پھینک دی جاتی ہے۔

مہمان: (دل میں) خدایا یہ کیا مصیبت ہے کہ عرب کا کوئی قبیلہ اس خوردسالہ بچی کی زبان زوری سے بچا ہوا نہیں ہے مجھ کو قبیلہ کا نام سوچنے میں دیر لگتی ہے اور اس کو بے محابا شعر پڑھ دینے میں دیر نہیں ہوتی۔ (لڑکی سے) خلاقِ عالم کی قسم! میں قبیلہ بجیلہ میں سے نہیں ہوں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان: میں قبیلہ بنو نمیر کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: غالباً یہ شعر تو آپ نے سنے ہوں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ شعر کس کے ہیں ؎

فغض الطرف انك من نمیر — فلا کعبا بلغت ولا کلابا

ولو وضعت فقاح بنی نمیر — علی خبث الحدید اذا لذابا

ترجمہ: قبیلہ بنی نمیر کے کسی شخص سے مخاطب ہو کر کہتی ہے تو

اپنی نظر نیچی کر (یعنی ذلت کے ساتھ چل) اس واسطے کہ تو قبیلہ بنی نمیر کا ہے (قبیلہ بنی نمیر بوجہ ذلت کے نظر اٹھا کر چل نہیں سکتا ہے) پس نہ تو (بوجہ دنایت کے) تو قبیلہ کعب تک پہنچ سکا۔ اور نہ قبیلہ کلاب تک۔ اور اگر بنی نمیر کے سر پر لوہار کی بھٹی کے چھوٹے ہوئے زنگ پر رکھ دیئے جاویں تو بوجہ حرارت کے وہ زنگ پگھل جاوے (سر کی شدت حرارت حزن کی خرابی پر دلالت کرتی ہے۔)

مہمان کے اب ہوش وحواس مختل ہو چکے تھے عقل کام نہ کرتی تھی جھوٹ بولتے بولتے اور اس کے اسباب بیان کرتے کرتے وہ عاجز آ گیا تھا۔ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ لڑکی میری تکذیب کے درپے نہیں ہے ممکن ہے کہ دل میں میرے کہے ہوئے کی تصدیق نہ کرتی ہوتی۔ مگر زبان سے تکذیب بھی نہیں کرتی ہے۔ اس لیے بغیر کسی تمہید کے صاف انکار کر گیا اور نہایت ڈھٹائی اور جرأت سے کہنے لگا۔ خدا کی قسم! مجھ سے اور قبیلہ بنو نمیر سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ میں ان کے سلسلہ نسب میں داخل ہوں۔

لڑکی: اگر آپ قبیلہ بنو نمیر میں سے نہیں ہیں۔ تو آخر کس قبیلہ میں سے ہیں۔؟

مہمان: (دل میں) میں نے معززقبائل عرب کے نام

سیلے۔ مگر چونکہ ان کو چھوٹے بڑے لائق نالائق، ہر طرح کے شخصوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لیے ان کو اگر سو اچھا کہتے ہیں تو دو چار بُرا بھی کہتے ہیں۔ اس مرتبہ ایسا نام بتانا چاہیئے۔ کہ وہ ایسا بدتر اور کمینہ فرقہ ہو کہ ہجو کرنا تو درکنار کوئی اس کو منہ بھی نہ لگاتا ہو۔ (تھوڑی دیر سوچ کر دل ہی دل میں) بس! ٹھیک ہے۔ یہی کہدوں کہ میں قبیلہ بنو باہلہ میں سے ہوں یہ تو ایسا کمینہ فرقہ ہے کہ اسی کی نسبت کسی دل جلے نے کہا ہے کہ

اذا قیل للکلب یا باھلی　　　عوی الکلب من یوم ھذا لب

ترجمہ: (بنو باہلہ کمینے پن میں اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں کہ) اگر کسی کتے کو باہلی کہہ کر پکارا جائے تو وہ بھی اس پہ واویلا مچانے لگے کہ مجھ کو گالی دی گئی۔

لیکن اگر یہی شعر اس کو بھی یاد ہو تو کیا ہوگا؟ نہیں نہیں کسی نے تفریح طبع کے طور پر اس کو معزز قبائل کی ہجو کے اشعار یاد کرا دیئے ہیں اس قبیلہ بنو باہلہ کی اس کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اور اگر بالفرض اس کو خبر ہو بھی تو پھر میں انکار کر دوں گا۔ لڑکی تو میرے اس انکار پہ کچھ کہتی نہیں جب یہ خیالات دل میں آچکے اور قلب نے یہی فیصلہ کیا۔ تو کہنے لگا کہ واللہ! میں بنو باہلہ میں سے ہوں۔

لڑکی: اس مرتبہ تو آپ بہت دیر تک خاموش رہے۔ میں سمجھی کہ شاید میری یہ خراشی بارِ خاطر گزری۔ اس مرتبہ غالباً آپ نے

سوچ کر بتایا ہے اور ٹھیک بتایا ہوگا۔

مہمان: (یہ سمجھ کر کہ لڑکی اس قبیلہ کی ہجو میں کوئی شعر نہیں پڑھ سکی۔ دفع الوقتی کر رہی ہے) ہاں ہاں! میری بہن میں فی الحقیقت بنو باہلہ میں سے ہوں۔ اس سے کمبخت نام ہی یاد نہ آتا تھا۔ بمشکل تمام نام یاد آیا ہے۔

لڑکی: بجا فرمایا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ سفر کس لئے ہیں۔

اذا نص الكرام الى المعالى تنحى الباهلى عن الزحام

جس وقت اسباب شرف و فخر کی طرف شرفائے قوم تیزی کے ساتھ چلتے ہیں تو ان کے ہمراہ ہونا یا پیچھے چلنا تو درکنار قبیلہ باہلہ کا شخص مجمع سے بھی دور ہوجاتا ہے۔

اذا ولدت حليلة باهلى غلاما زيد فى عدد اللئام

ولو كان الخليفة باهليا لقصر عن مساماة الكرام

وعرض الباهلى وان توقى عليه مثل منديل الطعام

اور جب کسی باہلی شخص کی بی بی کوئی لڑکا جنتی ہے تو نالائقوں اور ناکسوں کے عدد میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اگر (خدانخواستہ) تخت خلافت پر کوئی باہلی شخص قابض ہوجائے۔ تب بھی رہا دیہ اس رفعت قدر کے (شرفاء قوم کا مقابلہ بلندی مرتبہ میں نہ کرسکے اور باہلی کی آبرو اگرچہ وہ اس پر بڑی سخت نگہبانی

کرے مگر اس رومال کی طرح ہے جس سے کھانا کھانے کی بعد ہاتھ منہ پونچھا جاتا ہے۔ (یعنی ذلیل ہے)

مہمان ادھر تو ہجو کے اشعار اور وہ بھی ایک خورد سالہ لڑکی کی زبان سے سن کر ندامت کی وجہ سے زمین میں گڑا جاتا تھا۔ ادھر یہ خیال کہ لڑکی اپنے دل میں ضرور جھوٹا خیال کرتی ہوگی، اس کے سر کو اوپر نہ اٹھنے دیتا تھا۔ اس پہ یہ خیال اس کے لیے اور بھی سوہان روح ہو رہا تھا کہ اگر کوئی تیسرا شخص کسی جگہ چھپ کر سن رہا ہو کہ میں اپنے نسب کے سلسلہ میں اسقدر قبیلوں کو داخل کر چکا ہوں اور قسمیں کھا کھا کر انکار کر دیتا ہوں۔ تو وہ یقیناً مجھ کو حرامی خیال کرے گا۔ اور بالفرض کوئی شخص ہم دونوں کی یہ باتیں اس وقت نہ سنتا ہو۔ مگر جب یہ لڑکی گھر میں جا کر اس کا ذکر کریگی تو جو سنے گا وہ حرامی ہی کہے گا۔ اس وقت میں اپنے میزبانوں کی نظر میں کیسا خوار اور ذلیل ہوں گا۔ اور اس کو بھی جانے دو یہ لڑکی بھی کسی سے نہ کہے گی مگر ڈوب مرنے کی بات تو یہ ہے کہ یہ خود اپنے دل میں میری نسبت کیا خیال قائم کر چکی ہوگی۔ لیکن یہ سب کچھ سہی۔ اس کے سوا اور چارہ بھی تو نہیں کہ میں اس نسب کا انکار کر دوں۔ غیرت کی وجہ سے آواز تو نکل نہ سکی بہت دبی ہوئی آواز سے کہا خدا شاہد ہے کہ میں قبیلہ باہلہ سے نہیں ہوں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان : میں قبیلہ ثقیف کا شخص ہوں۔
لڑکی : آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کے ہیں ؟ ؎

اضل الناسبین لنا ثقیف ۔ فما لهم اب الا الضلال
فان نسبت او انتسبت ثقیف ۔ الی احد فذالك هو المحال
خنازیر الحشوش فقاتلوهم ۔ فان دماءهم لكم حلال

جس قدر قبائل عرب کا نسب ہم کو معلوم ہے ان میں سب سے زیادہ گمراہ قبیلہ ثقیف ہے۔ اس واسطے کہ ان کا کوئی باپ ہی سوائے گمراہی کے نہیں ہے۔ اگر ان کا نسب کسی سے ملایا جاوے یا یہ خود نسب میں اپنا تعلق کسی سے ظاہر کریں۔ تو یقیناً یہ محال ہے (اس واسطے کہ یہ لوگ بے نسب ہیں) یہ لوگ پاخانوں میں رہنے والے سوءر ہیں تو تم ان سے خوب اچھی طرح سے قتل و قتال کرو کیونکہ ان کے خون تمہارے لیے حلال ہیں۔

مہمان ان اشعار کو سنکر دل میں کانپ اٹھا اور گھبرا کر کہنے لگا کہ "نہیں نہیں" خدا کی قسم! میں قبیلہ ثقیف میں سے نہیں ہوں۔
لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں ؟
مہمان : میں قبیلہ بنی عبس کا ایک شخص ہوں۔
لڑکی : آپ کو معلوم ہے کہ یہ مصرعہ کس کا ہے ؟ ؎

فان سینحاً شتت اللہ شملہا

"اللہ تعالیٰ قبیلہ سینح کے اجتماع کو متفرق کر دے"۔

مہمان جس حالت میں مبتلا تھا۔ اسکو وہی خوب جان سکتا تھا۔ لڑکی کانٹوں کے جھاڑ کی طرح اس کو چمٹی ہوئی تھی۔ اور وہ کس طرح راہ گریز نہ پاتا تھا۔ مجبور ہوکر پھر اُس نے وہی اپنا پرانا راگ الاپا اور کہنے لگا اپنی جانِ عزیز کی قسم! میں تو قبیلہ سینح سے نہیں ہوں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے سلسلہ نسب میں داخل ہیں؟

مہمان: سچ پوچھو تو میں قبیلہ خزاعہ میں سے ہوں۔

لڑکی: تب تو آپ میری اس تمنا کو پورا کرسکیں گے کہ میں ان شعروں کے شاعر کا نام معلوم کرتی۔ کیا آپ بتا دیں گے۔

اذا فخرت خزاعۃ فی ندی ... وجدنا فخرھا شرب الخمور

وباعت کعبۃ الرحمن جہلاً ... بزق بئس مفتخر الفخور

"اگر قبیلہ خزاعہ کسی مجلس میں شیخی بگھارنا چاہیں تو صرف ان کی شیخی شراب کے پینے پر منحصر ہوتی ہے۔ انہوں نے از راہِ جہالت خانۂ خدا کو شراب کی ایک مشک کے عوض میں بیچ ڈالا۔ بدکاری پر فخر کرنے والے یہ لوگ بہت بُرے ہیں۔"

مہمان کی زبان سے قبیلہ خزاعہ کا نام نکلنے کو نکل گیا۔ مگر لڑکی نے اشعار میں اس قبیلہ کے ایسے عیب کو ظاہر کیا کہ مہمان از سرتاپا بحر ندامت میں

غرق ہو گیا۔ خود ہی اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا۔ کہ آج میری حالت کیا ہو گئی ہے۔ کہ جس قبیلہ کا نام لیتا ہوں وہ اس قبیلہ سے دنائیت میں بدرجہا بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ جس کا نام میں نے پہلے لیا ہے۔ کیا عرب کے غیر محصور قبائل میں سے کوئی ایسا قبیلہ اس وقت مجھ کو یاد نہ آوے گا۔ جس نے امور شنیعہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور اس ہجو نہ کی گئی ہو؟ آج میرے حافظہ کو کیا ہو گیا۔ بالآخر سوچتے سوچتے یہ کہا کہ میں قبیلہ بنی لیشکر سے ہوں۔

لڑکی نے اب اس طرف التفات کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ کہ میں نے جو کچھ کہا۔ سچ ہے یا جھوٹ۔ پہلے کیا کہا تھا۔ اب کیا کہتا ہے؟ اس کے چہرہ کے انداز سے یہ بات معلوم ہوتی تھی۔ کہ وہ صرف مہمان سے قبیلہ کا نام سننا چاہتی ہے۔ اور بس! ادھر مہمان نے یہ کہہ کر کہ میں فلاں قبیلہ کا ہوں۔ اپنی بات ختم کی کہ لڑکی نے اشعار پڑھنا شروع کر دیئے۔ اور اگرچہ مقصود اس کا بجز اس کے اور کچھ نہ ہوتا تھا کہ مہمان نے جس قبیلہ کا نام لیا ہے اس کی ہجو کرے۔ لیکن ظاہر یہ کرتی تھی۔ کہ وہ اس شعر کو نظم کرنے والے کا نام معلوم کرنا چاہتی ہے۔ مہمان کے اس کلام کو سنکر فوراً بولی! کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کے ہیں۔

ویشکر لا تستطیع الوفا ولو راعت الغدر لم تغدد

قبیلۃ عشیھا فی الکری لئام المتاخر والعنصر

قبیلہ بنی لیشکر (دنائت اور کمینہ پن میں اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ) اگر اپنی طبیعت کو وفائے عہد پر مجبور کرنا چاہتے تو (وفا کرنے پر قادر نہیں۔ اور (چونکہ عیب کرنے کو ہنر چاہیئے) اگر وہ بیوفائی کرنا چاہے تو بیوفائی کرنا بھی نہیں جانتا ہے۔ قبیلہ لیشکر ایسا قبیلہ ہے کہ اس کی زندگی صرف رہنے میں ختم ہوتی ہے یہ لوگ خود ذلیل اور ان کی جڑ بنیاد بھی ذلیل ہے۔

مہمان :۔ (بہت جلدی سے) خدا کی قسم! میں قبیلہ لیشکر سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ سے ہیں؟

مہمان : میں بنی امیہ کے قبیلہ میں سے ہوں۔

لڑکی : تو غالباً آپ اس شخص کو جانتے ہوں گے جس کے یہ شعر ہیں۔

ومن من امیۃ بنیا نہا   فبان علی الناس فقدانہا

وکانت امیۃ فیما مضی   جریا علی اللہ سلطانہا

فلا ال حرب اطاعوا الالہ   ولم تیق اللہ مروانہا

قبیلہ بنو امیہ کی شرف اور عزت کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اس لیے عام آدمیوں میں ان کا نیست و نابود ہو جانا ایک

معمولی بات ہو گئی اور گزشتہ زمانہ میں بنو امیہ کی سطوت ان کو خدا کے مقابلہ میں بھی بیباک بنائے ہُوئے تھے۔ تو نہ آل حرب نے خدا کی اطاعت کی نہ ان کے مردوں نے خدا کا خوف کیا۔

لڑکی نے تو اس پر سوال کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ کہ اس کے قول میں تدافع ہو رہا ہے۔ کبھی کس قبیلہ کی طرف۔ ہاں! مہمان اوّل اوّل بہت پریشان ہوا تھا۔ مگر اب اس قدر جھوٹ بول لینے کے بعد اس کو بھی خود اپنے منہ اپنے قول کو رد کرتے ہُوئے شرم معلوم نہ ہوتی تھی۔ اس لیے اس نے ان شعروں کو سنتے ہوئے فوراً کہا۔ کہ خدا کی قسم! میں بنو امیہ کے قبیلہ سے نہیں ہوں۔ بنو امیہ فی الواقع ذلیل ہے۔

لڑکی: تو پھر کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان: میں قبیلہ عنزہ کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: آپ ان شعروں کے کہنے والے جانتے ہیں؟

ما کنت اخشی ولو کان الزمان لنا ۔۔۔ زمان سوء بان تغتابنی عنزہ

فلست من وائل ان کنت ذا حذر ۔۔۔ ممن یضل کما قد ضلت العنزہ

اگرچہ زمانہ کی نظریں ہمارے اوپر بری بری پڑنے لگی تھیں۔ مگر مجھ کو یہ خیال تھا۔ کہ ایک ایسا وقت بھی آوے گا۔ کہ قبیلہ عنزہ بھی میری غیبت کرنے پر آمادہ ہو جانے گا۔ مجھ

کو قبیلہ وائل سے نہ سمجھنا۔ اگر میں ان گمراہوں سے ذرا بھی
خوف کروں۔ یہ تو ایسے بیقدر ہیں جیسے کہ کسی کے پاس
سے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مفقود ہو جاویں!

مہمان: خدا کی قسم! میں قبیلہ عنزہ کا بھی نہیں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان: میں قبیلہ کندہ کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کے ہیں؟

اذا ما افتخر الكندی ذو البهجة بالطره
فدح كنده انسبح فاعلا فخرها عره

اگر قبیلہ کندہ کا کوئی خوبصورت عورتوں کی سی چوٹی پہ
فخر کرے۔ تو قبیلہ کندہ کو تم ذلیل بیٹیوں کے لیے رہنے
دو۔ اس واسطے کہ اس کا اعلیٰ درجہ کا فخر لوگوں کو تکالیف
پہنچانا ہے۔

مہمان: خدا کی قسم! میں قبیلہ کندہ کا بھی نہیں ہوں۔ قبیلہ
کندہ فی الحقیقت ذلیل کاموں میں مصروف رہتا تھا۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان: میں قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: تو کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ شعر کس کے ہیں؟

اذا اسدیة بلغت ذراعا   فزوجها ولا تامن زناها

وان اسدیة خضبت یدیها   ولماتزن اشرك والداها

جب قبیلہ بنی اسد کی کوئی عورت سن شعور کو پہنچی۔ تو جلد اس کا نکاح کرا دے۔ لیکن اس قبیلہ میں زنا کی ایسی قبیح عادت ہے، کہ باوجود نکاح کر دینے کے بھی تو اس کے زنا سے مطمئن نہ ہونا اور اگر قبیلہ بنی اسد کی کوئی لڑکی اپنے ہاتھوں مہندی لگا دے، اور اب تک وہ زنا میں ملوث نہ ہوئی ہو تو اس کے ماں باپ اس کو اپنا شریک کر لیتے ہیں۔ یعنی اس کا باپ بھی اس سے زنا کر لیتا ہے۔'

مہمان: خدا کی قسم! میں قبیلہ بنی اسد میں سے بھی نہیں ہوں۔ اس قبیلہ میں بے شک زنا کی عادت عام تھی۔

لڑکی: تو پھر کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان: میں قبیلہ ہمدان کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ اشعار کس شخص کے ہیں۔

اذا همدان دارت یوم حرب   رحاها فوق هامات الرجال

رأیتهم یحثون المطایا   سراعا هاربین من القتال

قبیلہ ہمدان کی لڑائی کی چکی اگر مقاتلین کے سروں پر کسی

دن چلے تو تم دیکھو گے کہ وہ نہایت تیزی سے لڑائی سے بھاگے ہوئے جا رہے ہیں۔

مہمان: سچ ہے قبیلہ ہمدان اکثر لڑائیوں میں سے بھاگا کرتے تھے۔ شجاعت کی ان کو ہوا بھی نہ لگی تھی۔ لیکن خدا کی قسم! میں قبیلہ ہمدان میں سے نہیں ہوں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان: میں قبیلہ نہد کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کے ہیں؟

نهد لئام اذا ما حل ضيفهم   سوادوجوههم كالزفت والقار

والمستغيث بنهد عند كربة   كالمستجير من الرمضاء بالنار

قبیلہ نہد کے افراد کمینے ثابت ہوتے ہیں جبکہ ان کے پاس کوئی مہمان آجاتا ہے۔ ان کے چہرے زفت اور قار سے کی طرح کالے ہیں اور جو شخص مصیبت کے وقت ان سے فریاد کرے وہ ایسا نادان ہے جیسے کہ کوئی گرم زمین سے بچ کر آگ میں جا کودے۔

یہ اشعار سنتے ہی مہمان نے کہا۔ یہ اشعار بالکل سچے ہیں۔ مگر خدا کی قسم میں تو قبیلہ نہد سے نہیں ہوں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان : میں قبیلہ قضاعہ کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی : کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ اشعار کس کے ہیں ؟

لا یفخرنّ قضاعی باسرتہ ۔۔۔ فلیس یعن محضا ولا مضر

مذبذبین فلا قحطان والدھم ۔۔۔ ولا نزار فسیبہم الی سقر

قبیلہ قضاعہ کے کسی شخص کو اپنے کنبہ پر فخر نہیں کرنا چاہیے اس واسطے کہ نہ وہ یمن کے خالص النسب لوگوں میں سے ہے نہ مضر کے شریفوں میں سے۔ یہ لوگ دوغلے ہیں، نہ قحطان ان کا باپ ہے اور نہ نزار، اس لیے ان کو جہنم میں جھونک دو۔

مہمان : ہاں ہاں! قبیلہ قضاعہ کا نسب قابل اعتبار نہ تھا مگر خدا کی قسم میں تو قبیلہ قضاعہ سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں ؟

مہمان : میں قبیلہ بنی شیبان میں سے ہوں۔

لڑکی : تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ اشعار کسکے ہیں ؟

شیبان رھطہم عدید ۔۔۔ وکلہم معرق لئیم

شربہم من فضول ماء ۔۔۔ یفضل عن اسوۃ العمیم

بنی شیبان کا قبیلہ بڑی جماعت والا ہے مگر ان میں سے ہر ایک اول نمبر کا اپنی اپنی اصل کے اعتبار سے کمینہ اور

پاجی ہے۔ یہ اس بچے ہوئے پانی کو پیا کرتے ہیں جو عام لوگوں کے پینے سے بچ رہتا ہے۔

فضول ماء جس کو ہم نے بچے ہوئے پانی سے تعبیر کیا ہے۔ ایک خاص طریقہ سے حاصل شدہ پانی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی جب چشموں اور جھیلوں پر اہل عرب پہنچ جاتے تھے تو اپنی مشکوں اور پکھالوں میں پانی صاف اور عمدہ بھر لینے کے لیے قافلہ کے شرفا اور ذی عزت لوگ جاتے تھے۔ اور جب وہ اپنے لیے پانی کافی جمع کر لیتے تھے تو اس کے بعد قافلہ کے گھٹیا اور ادنیٰ درجہ کے لوگ پانی پر پہنچتے تھے۔ اس کے بعد جبکہ مردوں سے چشمہ خالی ہو چکا ہوتا تھا۔ تو عورتیں جاتی تھیں۔ اور اطمینان سے نہانا۔ کپڑوں کا دھونا اور اسی قسم کی ضروریات کو پورا کرنا ان کا کام ہوتا تھا جب یہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو چکتی تھیں۔ تو ان کے بعد لونڈی۔ غلام اور ایسے لوگ کہ جن کی کوئی عزت اور وقعت قافلہ میں نہ ہوتی تھی پہنچتے تھے۔ یہی پانی فضول ماء کہا جاتا تھا اور اسی کو حاصل کرنے والے ذلیل اور ادنیٰ درجہ کے لوگ کہے جاتے تھے۔

غرض یہ کہ ان اشعار کو سن کر مہمان نے کہا۔ کہ بیشک قبیلہ شیبان اگرچہ بڑے جتھے والا ہے۔ لیکن اس نے ملک عرب میں کسی قسم کی کوئی عزت نہیں پیدا کی ہے۔ مگر خدا کی قسم میں تو قبیلہ شیبان سے ہوں ہی نہیں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان : میں قبیلہ تنوخ کا ہوں۔

لڑکی : تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ اشعار کس کے ہیں؟

اذا تنوخ قطعت منہلا — فی طلب الغارات والثار

انت من یجری مرار العلے — وشہرۃ فی الاہل والجار

جب قبیلہ تنوخ کسی قبیلہ کو لوٹنے کے ارادہ سے کسی جگہ کا سفر کرتا ہے تو وہ اپنی عزت اور شرف اور اپنے کنبہ اور پڑوسیوں کی شہرت کو کھو بیٹھتا ہے۔

مہمان : سچ ہے قبیلہ تنوخ ایسا ہی بزدل ہے۔ مگر خدا کی قسم میں تو قبیلہ تنوخ میں سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان : میں قبیلہ ذہل کا ہوں۔

لڑکی : تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے

ان ذہلا لا یسعد اللہ ذہلا — شرجیل یظل تحت السماء

خداوند عالم قبیلہ ذہل کو ہمیشہ بدبخت رکھے جس قدر لوگ آسمان کے نیچے بستے ہیں۔ یہ لوگ ان سب سے بدتر ہیں۔

مہمان : جس شخص نے یہ شعر کہا۔ بالکل سچ کہا۔ بیشک

قبیلہ ذہل ایسا ہی بدنام ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں قبیلہ ذہل سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان : میں قبیلہ مزینہ کا ہوں۔

لڑکی : کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے۔

وهل مزينه الاهن قبيلة ۔۔۔ لا يرتجى كرم فيها ولا دين

قبیلہ مزینہ ایک ایسا ذلیل قبیلہ ہے جس سے نہ کرم کی امید کی جا سکتی ہے نہ دین کی۔

مہمان : سچ ہے یہ قبیلہ مزینہ ایسا ہی بے خبر اور بد دین ہے مگر میں خدا کی قسم اس قبیلہ کا نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان : میں قبیلہ نخع کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی : تو کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ شعر کس ہیں

اذا النخع اللئام عدوا جميعا ۔۔۔ كد كدت الجبال من الزحام

وما يغني اذا صدقت قتيلا ۔۔۔ ولا هي في الصميم من الكرام

قبیلہ نخع جو اول نمبر کا کمینہ ہے۔ اگر اس کے سارے افراد کسی پہاڑ کی طرف دوڑیں تو یہ لوگ تعداد میں اس قدر ہیں کہ ان کی کثرت کی وجہ سے وہ بھی ہلنے لگیں۔ لیکن ان سے

کسی کو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچتا ہے۔ اور نہ خالص شرفاء میں انکا شمار ہے۔

مہمان : بالکل درست! مگر خدا کی قسم میں اس قبیلہ کا نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان : میں قبیلہ طے کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی : آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے۔

ولو ان عصفوراً یمد جناحہ علی دور طے کلہا لا ستظلت

اگر چھوٹی سی چڑیا اپنے پر سارے قبیلہ طے پر پھیلا دے تو بوجہ اپنی حقارت اور کمی تعداد کے سارا قبیلہ اس کے پروں کے اندر آجا وے۔

مہمان : درست ہے مگر خدا کی قسم میں قبیلہ طے سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان : میں قبیلہ عک کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی : کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے۔

علث لئنام کلھم ابک لیس لھم من الملام فک

قبیلہ عک کے تمام آدمی کوڑھی اور خدمت گار ہیں۔ یہ

لوگ ملامت سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے ہیں۔

اب مہمان قبیلوں کا نام لیتے لیتے گھبرا گیا تھا۔ اور وہ سوچ سوچ کر قبائل کے نام بتانے لگا تھا۔ اور لڑکی اس کے منہ کو اس طرح غور سے اور متانت کے ساتھ تک رہی تھی۔ گویا کوئی شکاری جانور اپنے شکار کی طرف بغور دیکھتا ہے۔ مہمان بالکل سٹ پٹا گیا تھا۔ اور دُعائیں مانگتا تھا کہ لڑکی کی زبان سے اس سلسلہ کلام میں کوئی لفظ ایسا بھی نکل جاوے جس کو میں اپنی توہین قرار دے کر غصہ ظاہر کرنے کے بعد بات کرنا ترک کر دوں۔ کاش یہ مجھ کو جھوٹا ہی کہہ دیتی۔ تو میں اسی پر غضب ناک ہو جاتا۔ مگر ہاں! اس نے اوّل اوّل ہی مجھکو جھوٹا کہا تو تھا تو کیا اسی پر غصہ کروں۔ اور اس زبان زور لڑکی کو دھتکاروں؟ "نہیں نہیں ہرگز نہیں" اوّل تو اس نے مجھ کو صراحتہً جھوٹا کہا نہیں تھا۔ اور اگر بالفرض اس نے صراحت کے ساتھ ہی جھوٹا کہا بھی تھا تو وہ بات تو بہت دیر ہوئی کہ گزر چکی۔ اب اس پر غصہ کرنے کا کیا موقعہ ہے۔ یہ تو میرے پیچھے پنجہ جھاڑ کر پڑ گئی ہے۔ اس غضب کو تو دیکھو کہ مجھ کو قبیلے کے نام سوچنے میں دیر لگتی ہے۔ مگر اس کو شعر پڑھتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔!

اِلٰہ العالمین! میں اپنا پیچھا اس سے کس طرح چھوڑاؤں؟ لیکن میں تو دوسری ہی فکر میں پڑ گیا۔ وہ لڑکی میرے سکوت کو حقارت آمیز تبسم کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ مجھ کو جلد کسی قبیلہ کا نام لینا چاہیئے۔ کچھ سوچ کر اپنا

خدا کی قسم! میں قبیلہ عک کا نہیں ہوں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان: میں قبیلہ لخم کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے؟

اذا ما اجتنی قوم لفضل قدیمہم   بتاعد فخر الجود عن لخم اجمعا

جب کوئی جماعت اپنے قدیمی فضل کی وجہ سے اشرف اور ذی عزت سمجھی جاتی ہے تو اس وقت بھی عطاء کرم کا فخر قبیلہ لخم کے ہر ایک شخص سے دور رہتا ہے۔

مہمان: سچ ہے! مگر میں خدا کی قسم اس قبیلہ کا نہیں ہوں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں؟

مہمان: میں قبیلہ جذام کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی: کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ شعر کس کا ہے۔

اذا کاش المہدام ادیر یوما   لمکرمۃ تنحی عن جذام

اگر اس غرض سے کہ شراب کے نشہ میں داد و دہش خوب ہو گی، دور شراب چلے تو قبیلہ جذام کی شرکت اس میں بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

مہمان: سچ ہے! مگر خدا کی قسم میں تو قبیلہ جذام میں سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان : میں قبیلہ کلب کا ایک فرد ہوں۔

لڑکی۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے؟

فلا تقربن کبا ولا باب دارھا   ولا یطمعن ساریٖ ضوٗ نارھا

قبیلہ کلب کے بلکہ اس کے دروازے کے قریب بھی تم ہرگز نہ جانا اور رات کا وہ مسافر جس نے اس کی آگ کی روشنی دیکھ لی ہو۔ اس کو ہرگز اس کی امید نہ کرنی چاہیئے کہ وہ قبیلہ قلب کا مہمان بن کر آرام سے رہ سکے گا۔"

مہمان : خدا کی قسم! میں قبیلہ کلب سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

مہمان۔ میں قبیلہ بلقین کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی : تو کیا آپ جانتے ہیں۔ کہ یہ شعر کس کا ہے۔

اذا ما سألت اللوم این محلہ   تصب عند بلقین لہ طوفان

اگر تم دنایت کے متعلق تحقیق کرو پوچھو کہ اس کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے۔ تو تم دیکھو گے کہ وہ قبیلہ بلقین کے اول و آخر کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

مہمان ، بالکل ٹھیک ہے۔ مگر خدا کی قسم میں تو قبیلہ بلقین سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں ؟

مہمان : میں قبیلہ بنی الحارث بن کعب کا ایک شخص ہوں۔

لڑکی : کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ شعر کس کے ہیں ؟

حلا ابن کعب الاحلام تحجزکم   عنا وانتم من الجوف الجماخیر

لا عیب فی القوم من طول ومن عظم   جسم البغال واحلام العصافیر

اے قبیلہ حارث بن کعب کیا تمہاری عقلیں تم کو تمہاری ایذا رسانی سے نہیں روکیں گی اور تم تو بالکل کھوکھلی ہڈی کی طرح خیر سے خالی ہو۔ ان لوگوں میں بدن کی لمبائی اور چوڑائی کا عیب نہیں۔ اس واسطے کہ ان کے جسم خچروں سے ہیں مگر ان کی عقلیں چڑیوں کی سی ہیں۔

مہمان : اس میں تو شک نہیں کہ قبیلہ حارث بن کعب حقیقت میں عقل سے خارج ہے۔ مگر خدا کی قسم میں تو قبیلہ حارث بن کعب سے نہیں ہوں۔

لڑکی : تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں ؟

مہمان : میں قبیلہ بنی سلیم سے ہوں۔

لڑکی : کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے۔

اذا ما سلیم جئتہا فی ملمۃ   رجعت کما قد جئت جزمان نادما

اگر تم قبیلہ سلیم کے پاس کسی مصیبت سے گھبرا کر پہنچو تو جس

طرح گئے تھے اسی طرح ناکام اور ذلیل و شرمندہ ہو کر واپس ہونا نصیب ہو۔

مہمان: ہاں ہاں! یہ لوگ ایسے ہی تھے۔ حمیت اور غیرت تو ان کے پاس بھی ہو کر نہ گزری تھی۔ مگر میں خدا کی قسم قبیلہ بنی سلیم سے نہیں ہوں۔

لڑکی: تو پھر آپ کس قبیلہ کے ہیں۔

اب مہمان متردد تھا۔ کہ کیا کرے۔ کسی قبیلہ کا نام اس کو یاد نہ آتا تھا۔ آخر کو مجبور ہو کر کہنے لگا۔ کہ دراصل بات یہ ہے۔ کہ مجھ کو اس کا امتحان کرنا تھا۔ کہ تم کو کس قدر شعر یاد ہیں۔ اور کس قدر قبائل سے واقف ہو۔ میں فی الحقیقت عربی النسل ہوں ہی نہیں۔ بلکہ میں تو ایک فارسی نژاد شخص ہوں۔

لڑکی: کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے۔

الا قل لمعترو طالب حاجۃ یرید ینجح نفعہا وقضاہا

فلا تقرب القرس اللئام فانہم یردون مولاہم بخبث ذراہا

سن لو! ایسے محتاجوں سے جو اپنی مرادوں کی کامیابی کے کوشاں ہیں کہدو کہ ان کیلئے ملک فارس کے باشندوں کے قریب بھی نہ جاویں اسواسطے کہ وہ اپنے (محتاجین تو درکنار) اقارب اور انصار کو بھی خبث باطن کیوجہ سے محروم

واپس کر دیتے ہیں۔

اب مہمان بالکل ہی تنگ ہو گیا تھا۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ کہ الٰہی کیا کروں اس کی زبان سے تو فارسی لوگ بھی نہ بچے۔ اب کس کا نام لے دوں۔ اب تو کسی ایسی جماعت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا چاہیئے۔ کہ جس کے متعلق کسی شاعر کا خیال بھی نہ گیا ہو۔ نہ اس کی ہجو ہو سکے۔ اس لیے سوچکر بولا "خدا کی قسم! میں فارسی الاصل نہیں ہوں۔ مجھ سے اور ان لوگوں سے کیا علاقہ۔ میں تو اصل اُن غلاموں کی جماعت میں سے ہوں۔ جن کو ان کے مالکوں نے ازراہِ ترحم آزاد کر دیا ہے۔

لڑکی: آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے۔؟

الا من اراد اللوم والفحش والخنا فضد الموالی للعبید والکتفان

اگر کسی شخص کو اخلاق رذیلہ کا مرکز معلوم کرنا ہو تو وہ جان لے کہ آزاد کیئے ہوئے غلاموں کے پاس اخلاق رذیلہ کی مجسم تصویر موجود ہے۔

مہمان اس شعر کو سُن کر چونک اُٹھا اور دل ہی دل کہنے لگا۔ کہ اب موقع ہے کہ میں غصہ کروں اس لئے نہایت سخت الفاظ اس شعر میں بیان کیے اور غصہ کر کے اپنی توہین کا ایک شور مچا دوں اور ناراض ہو کر چلدوں۔ اس صورت میں بات دب جاوے گی۔ اور میں اپنی

اس ذلت کا فی الجملہ کچھ عوض کر سکوں گا۔ مگر اس قدر جھوٹ بولنے اور ہر مرتبہ پروردگار عالم کی جھوٹی قسم کھانے کے بعد اظہار غضب پر کیا مجھ کو شرم نہ آوے گی۔ میں تو اس قدر جھوٹ بولتے بولتے اور جھوٹی قسمیں کھاتے کھاتے اس درجہ پر پہنچ گیا ہوں۔ کہ اس نو عمر بچی کے سامنے سر نہ اٹھا سکوں اب میں کس منہ سے غصہ کر سکتا ہوں۔

اور اس سے زیادہ یہ کہ غصہ کس بات پر کروں؟ یہ زبان دراز لڑکی مجھ سے تو خطاب کرتی ہی نہیں۔ شعر پڑھ کر شاعر کا نام پوچھتی ہے۔ اب اس میں غصہ کی کیا بات؟ الٰہی میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ یہاں تک پہنچ کر پھر اسکو کچھ یاد آیا۔ اور جلدی سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں آزاد کئے ہوئے غلاموں سے بھی نہیں ہوں۔ بلکہ حضرت نوح (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اولاد میں سے جو ایک صاحبزادے حام تھے۔ ان کی اولاد میں سے ہوں۔

یہ کہہ کر اپنے دل میں بہت خوش ہوا۔ کہ اس مرتبہ ایسی بات زبان سے نکلی کہ اس طرف اس لڑکی کا تو کیا کسی کا ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔ مگر یہ خیال دل میں اچھی طرح سے گزرنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ لڑکی نے اپنے اسی معمولی انداز میں کہا۔ کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے؟

ولا تنکحوا اولاد حام فانھم   مشاویہ خلق اللّٰہ حاشا ابن اکوع

ابن اکوع کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ حام کی تمام اولاد میں سے

کسی سے رشتہ قائم نہ کرو۔ اس واسطے کہ خدا کی تمام مخلوق میں وہ بدترین مخلوق ہیں۔

مہمان کی پریشانی کی اب حد نہ تھی۔ جسقدر صورتیں وہ نجات کی نکال سکتا تھا۔ وہ سب ختم ہو چکی تھیں۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں تھیں مگر کیا کر سکتا تھا آخر کو جھنجھلا کر کہا" خدا کی قسم! میں اولاد حام میں سے بھی نہیں ہوں۔

لڑکی: (معمولی انداز سے) تو پھر آپ کس کی اولاد میں سے ہیں؟

مہمان: کرخت آواز سے جھنجھلا کر) میں شیطان کی اولاد میں سے ہوں۔

لڑکی: (اسی معمولی لہجہ سے) شیطان اور اس کی تمام ذریات اور اس کے تمام اعوان پر خدا کی لعنت ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس کا ہے؟

الا یا عباد اللّٰہ ھذا عدو کم   وذا ابن عدو اللّٰہ ابلیس خاسا

اے خدا کے بندو! سن لو یہ (ابلیس لعین) تو تمہارا دشمن ہے۔ اور یہ اس ملعون دشمن خدا کے صاحبزادے تشریف فرما ہیں"

مہمان بدحواس ہو چکا تھا۔ ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ گھبرا کر اٹھا اور لڑکی کے قدموں پہ گر پڑا اور نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کی

درخواست کی اور وہاں سے جلد از جلد روانہ ہو گیا۔

(ادب العرب صا۹)

سبق : یہ خبر تناک فی البدیہہ شعر گوئی عرب کے سوا کسی قوم میں نہیں مل سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی عجیب معلوم ہوتی ہے۔ کہ جب میزبان عورت کو معلوم ہو گیا۔ کہ باوجود ہر طرح کی خاطر و مدارات کے مہمان نے ہماری ہجو میں شعر نظم کیا یا کم از کم یہ کہ کسی دوسرے کا شعر پڑھا اس وقت عرب کے طرز کے موافق بہت آسان تھا۔ کہ وہ اپنی ذلت کی جانب اپنے قبیلہ کے مردوں کو متوجہ کرتی اور ایک واذلاہ کی آواز سے سارے قبیلہ کو اس کے خون کا پیاسا بنا دیتی۔ لیکن وہ جانتی تھی۔ کہ جس پر ایک مرتبہ مہمان بنا کر احسان کیا جا چکا ہے۔ اس کو خود اپنے ہاتھوں سے ذلیل کرنا شرمناک ہے۔ علاوہ اس کے اہل عرب کے اکثر لوگوں کو اس تفصیل کی تو خبر ہوتی نہیں۔ کہ مہمان نے ممنون احسان ہونے کے باوجود میزبان کی اہانت کی تھی۔ ہاں یہ بات شہرت پذیر ہوتی کہ فلاں خاندان کے لوگوں نے ایک شخص کو مہمان بنا کر قتل کر دیا۔ اور اس غداری کا دھبہ پشتہا پشت تک لگتا۔ گویا مطلب یہ ہوتا کہ پہلے تو صرف ایک شخص زبانی ہجو کر رہا تھا۔ اُس کے رد کرنے کی کوشش میں حضائل قبیحہ کا عملی جامہ پہن کر اپنے آپ کو ملعون کرایا گیا۔ یہ ایک معمولی فطانت تھی جس سے عرب کی ایک عورت نے کام لیا تھا۔ اور ایسی عمدہ سزا دی کہ اس سے

عــه ہائے ذلت

عمدہ سزا خیال میں بھی نہ آسکتی تھی۔ اگر اس کو قتل کر دیا جاتا۔ تو اس ذلت میں کمی ہرگز نہ آتی جس نے اس عورت کو برافروختہ کر دیا تھا بلکہ جتنے منہ اتنی زبانیں ہو جاتیں اور پہلے ایک شخص نے ہجو کی تھی تو اب ہزاروں زبانیں ہجو کرنے لگتیں۔ اور اگر اپنے احسان کا خیال کر کے قتل نہ کیا جاتا بلکہ اس تذلیل کے بدلے میں اس کی توہین کر کے قبیلہ سے نکال دیا جاتا۔ تو کیا یہ ممکن تھا کہ اگر مہمان کی زبان سے بے اختیاری کی حالت میں ایک شعر ایسا نکل گیا تھا جس سے قبیلہ کی ہجو ہوتی تھی۔ تو اس تذلیل کے بدلے میں وہ قصداً ہجو کے قصائد تصنیف کرے اور ملک عرب میں انکی شہرت دے۔

کیا اور شعراء کی وہ زبانیں جو حملہ کرنے کے لیے موقع اور وقت کی منتظر رہا کرتی تھیں۔ اس کا ساتھ نہ دیتیں؟ اور اگر غور کرو تو قتل یا دوسری کسی قسم کی سزا اس لیے بھی مناسب نہیں۔ کہ اس کے جرم سے بڑھ جاتی۔ اس نے اپنی بے لگام زبان سے صدمہ پہنچایا تھا۔ اس کی سزا میں زبان ہی سے کام لینا چاہیئے تھا۔ اب اس کو ایسی سزا دی گئی کہ وہ خود نادم ہوا۔ اور دل سے سچی توبہ کرنے پر مجبور ہوا ممکن تھا۔ کہ سخت سے سخت سزا دیکر آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کے وعدے اس سے لے لیے جاتے۔ مگر وہ اس وعدہ پر ثابت قدم بھی رہتا۔ اس کی ضمانت مشکل تھی۔ اس سزا کے بعد ناممکن ہو گیا۔ کہ وہ اس قبیلہ کی ہجو کرے۔

حکایت نمبر ۲۸۳

حضرت عمر بن عبدالعزیز

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تخت نشینی کی ابتداء ہی تھی کہ شعراء کی ایک جماعت نے دربارِ خلافت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ شعراء اس امر کے عادی ہو چکے تھے۔ کہ امراء اور سلاطین کے درباروں میں حاضر ہو کر اپنے قصائد مدحیہ سے درباروں کو گرم کریں۔ اور ان سے دل بھر کر نقدا اور خلعت وصول کریں۔ ان کے ان مضامین متخیلہ میں ایسی تاثیر ہوتی تھی۔ کہ بخیل سا بخیل امیر بھی بغیر دیئے نہ رہ سکتا تھا۔ یہ شعراء کچھ اس طرز سے انعامات طلب کرتے تھے۔ کہ حسن طلب ان سے اچھی گویا کسی کو آتی ہی نہیں تھی۔ اور ان کے ان ثمرات فکر کا ایسا غلغلہ مچا ہوا تھا کہ بعض بعض امراء تو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں روپیہ محض اس تمنا میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ کہ فلاں مشہور شاعر ہماری مدح میں زیادہ نہ سہی ایک ہی قصیدہ نظم کر دے۔ اور ان میں سے جن کی طبائع زیادہ موجیں مارتی تھیں ان کی تو ایسی ایسی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں۔ کہ شاید آجکل کے اوسط درجہ کے تعلقدار بھی آمدنی میں ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ غرض یہ کہ ادھر تو ان کے مضامین کی عام رغبت جیبوں اور خزانوں سے روپیہ نکلوانے

کے لیے کافی تھی۔ اور ادھر نہ دینے کی صورت میں ہجو کا خوف بھی سوہانِ روح ہوتا تھا۔ شعراء کی ہجو کیا تھی گویا کہ ایک سیف قاطع تھی۔ کہ جس سے امراء کے قلوب کانپ اٹھا کرتے تھے۔ اور شعراء کی جماعت مضامین ہجویہ کو کچھ ایسے عجیب پیرایہ میں ادا کرتی تھی کہ بوجہ فصاحت و بلاغت اور مضامین کی عمدگی کے ادھر شاعر کی زبان سے ہجو کے اشعار نکلے کہ ادھر بچے بچے نے ان کو یاد کر لیا۔ اب گویا اس جگہ کا ہر ہر بچہ اس کی ہجو کر رہا ہے۔ بغرض یہ کہ شعراء کی جماعت اپنی منہ مانگی مرادیں حاصل کرتی ضرور تھی۔ خواہ اپنے ان تخیلات کی رغبت کی وجہ سے یا ہجو کے خوف سے۔

شعراء کی مذکورہ بالا جماعت امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کی تمنا میں کئی دن تک موجود رہی۔ مگر حاضری نہ ملنا تھی نہ ملی۔ اپنی ذلت کے خیال سے یہ جماعت بے نیل مرام جانا پسند بھی نہ کرتی تھی۔ حسن اتفاق سے عدی بن ارطاۃ خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں باریاب ہونے کی غرض سے تشریف لائے۔ خلیفۃ المسلمین عدی بن ارطاۃ کی بوجہ ان کے علم و فضل کے تعظیم و تکریم بہت کرتے تھے۔ اس لیے ان سے اچھا سفارش کرنے والا اس جماعت کو اور کون نصیب ہو سکتا تھا۔ اس لیے سب کی رائے ہوئی کہ ان کو حاضری کی اجازت ملنے کے لیے اپنا شفیع بنایا جائے۔ اس جماعت میں عرب کا ایک مشہور شاعر

جریر نامی موجود تھا۔ فوراً عدی بن ارطاۃ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سامنے آکر فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

یا ایہا الرجل المزجی مطیتہ	ہذا زمانک انی قد خلا زمنی
ابلغ خلیفتنا ان کنت لاقیہ	انی لدی الباب کالمشدود فی قرن
لا تنس حاجتنا لاقیت مغفرۃ	قد طال مکثی عن اہلی وعن وطنی

ترجمہ: اے بزرگ! اپنی سواری کو تیز ہانکنے والے۔ اب زمانہ آپ حضرات کے موافق ہے۔ ہماری جماعت کا زمانہ تو گیا گزرا ہوا۔ اگر آپ دربارِ خلافت میں باریاب ہوں۔ تو ہمارے خلیفہ کو ہمارا اس قدر پیغام ضرور پہنچا دیں کہ ہماری جماعت آپ کے دروازہ پر اس جانور کی طرح پڑی ہوئی ہے جس کو رسی میں باندھ کر ڈال دیا گیا ہو۔ خدا آپ کی مغفرت کرے۔ آپ ہماری حاجت کو بھول نہ جاویں۔ زمانہ دراز گزرا ہے۔ کہ ہماری جماعت اپنے بال بچوں اور وطن سے دور پڑی ہوئی ہے۔

عدی ابن ارطاۃ سے رقیق القلب پر اس "ان من البیان لسحرا" کے مصداق کلام کا اثر کیوں نہ ہوتا۔ فوراً تسلی دے کر سفارش کا وعدہ فرما لیا۔ جب دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو باتوں باتوں میں عرض کیا۔ کہ امیر المومنین! شعراء کی جماعت دروازہ پر موجود ہے ان کی

زبانیں زہر کی بجھی ہوئی ہیں۔ یہ ناراض ہو کر جس کے متعلق اپنی زبانیں کھولتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں رہتا ہے۔ کہ اپنے دوست احباب عزیز و اقارب کسی کو اپنا منہ دکھاوے۔ ان کے اشعار کے تیر جب ان کی زبانوں کی کمانوں سے چلتے ہیں۔ تو کبھی خطا نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کو حاضری کی اجازت دے کر ان کو کچھ تھوڑا بہت دیکر دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ پر عمل کریں۔ تو نامناسب نہیں۔ بلکہ خلافت کے رعب و داب میں فرق نہ آوے گا۔

خلیفۃ المسلمین: (نہایت بے اعتنائی کے ساتھ) اس جماعت کو میرے پاس آنے سے کیا واسطہ؟ میں اپنے عزیز وقت کو ان کے لغویات میں صرف کرنا بے فائدہ سمجھتا ہوں۔

عدی بن ارطاۃ: امیر المومنین! آپ نے میری گزارش پر غور نہیں فرمایا۔ ان کی حاضری اس قدر بیکار نہیں۔ جسقدر کہ غلامانِ عالی کے ذہن میں ہے۔ اور آپ تو آپ ہیں۔ کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ سرورِ کائنات علیہ الف الف صلوات و تحیات کی مدح کی گئی اور آپ نے خود سنی اور اس پر انعام عطا فرمایا۔ عام مسلمانوں اور خصوصاً امیر المومنین سے بتبع شریعت کے لیے اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔ کہ وہ خاتم الانبیاء (روحی و روح ابی و امی فداہ) کا اتباع کریں۔

امیر المؤمنین: (کچھ تامل کے بعد) آپ نے بجا فرمایا مگر

یہ تو معلوم ہو کہ ان میں سے کون کون حاضری کی اجازت کا طالب ہے۔

عدی بن ارطاۃ :- امیر المومنین! حاضری کی تمنا کرنیوالوں میں حضور کے چچا زاد بھائی عمر بن ابی ربیعہ القرشی بھی ہیں جنکی فصاحت و بلاغت نظم و نثر کا سکہ جما ہوا ہے۔

امیر المومنین : (اس نام سے نہایت برافروختہ ہو کر) خدا اُس کی قرابت کو برباد کرے اور اس کو زندگی میں کبھی عزت نصیب نہ ہو۔ یہ شخص وہی تو ہے جس کے یہ اشعار مجھ تک پہنچے ہیں۔

الا لیتنی فی یوم تدنو منیتی ۔۔۔ شممت الذی مابین عینک و الفم

ولیت طہوری کان ریقک کلہ ۔۔۔ ولیت حنوطی من مشاشک والدم

ویالیت سلمٰی فی القبور ضجیعتی ۔۔۔ ھنالک اوفی جنۃ اوفی جہنم

ترجمہ : اے کاش کہ جس روز میری موت مجھ سے قریب ہوتی اس روز میں تیری آنکھوں اور منہ کے مابین کو سونگھتا اور چومتا اور اے کاش کہ (مرنے کے بعد) جس چیز سے مجھ کو غسل دیا جاتا وہ تیرا لعاب دہن ہوتا۔ اور اے کاش کہ وہ خوشبو جو مرنے کے بعد میرے بدن اور کفن پر لگائی جاتی وہ تیرے ہی گوشت و پوست کی ہوتی اور اے کاش کہ سلمٰی (محبوبہ کا نام ہے) قبر میں میرے ہمبستر ہوتی۔ خواہ

یہاں یا جنّت میں یا دوزخ میں۔

اگر یہ دشمنِ خدا اس قدر کرتا کہ دنیا میں سلمٰی سے ملنے کی تمنا کرتا اور اس کے کفارہ میں اعمالِ صالحہ کرتا اور اس قدر خرافات زبان سے نہ بکتا کہ جہنم میں بھی اس سے ملنے کی تمنا کا اظہار کرتا تو بھی اسقدر بُرا نہ ہوتا۔ خُدا کی قسم! میں ایسے بیباک، گستاخ، منہ زور کو ہرگز ہرگز اپنے پاس نہ آنے دونگا۔ اچھا اس کے سوا کسی اور کا نام لیجئے۔ جو حاضری کا خواستگار ہو۔

عدی بن ارطاۃ: حمیل بن معمر العذری بھی موجود ہے جو آج اپنا نظیر خود ہے۔ اس کی شکایت تو غالباً امیر المومنین نے بھی نہ سنی ہوگی۔

امیر المومنین: (نہایت نفرت کے ساتھ) کیا یہ وہی شخص نہیں جس کی جسارت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اس قسم کے اشعار تصنیف کرے اور ان پہ فخر کرے۔

الا لیتنا نحیا جمیعاً فان نمت ۔۔۔ یوافی لدی الموتی ضریحی ضریحہا

فما انا فی طول الحیوٰۃ براغب ۔۔۔ اذا قیل قد سوی علیہا صفیحہا

اظل نہاری لا اراھا وتلتقی ۔۔۔ مع اللیل روحی فی المنام وروحہا

ترجمہ: کاش کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ زندہ رہتے۔ اور اگر مرتے تو قبرستان میں میری اور اس کی قبر برابر ہوتی جب یہ کہا جائے

کہ لیلےٰ کو دفن کر کے مٹی اور پتھروں میں چھپا دیا گیا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ میرا دن تو اس طرح گزرتا ہے کہ معشوقہ کے دیدار کو میری آنکھیں ترستی رہتی ہیں۔ لیکن رات کو خواب میں میری اور اس کی روحیں ضرور مل لیتی ہیں۔"

یہ شخص کہ جس کو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک لمحہ بھی اپنے خالق کا خیال نہ آوے اور ایک عورت کا خیال اس کو گھیرے رہے۔ آپ خود ہی خیال فرمادیں کہ کس قدر بد اطوار ہو گا۔ خدا کی قسم! میں اس کو بھی اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دوں گا۔ اچھا اس کے سوا کسی اور کا نام بتایئے۔

عدی بن ارطاۃ :- کثیر عزۃ - یہ وہ مشہور شاعر ہے جس کے مدحیہ قصائد کی آرزو بڑے بڑے امراء نے کی ہے۔ اور اس نے اپنے کمال کے زعم میں معمولی امراء کی تعریف اپنے لیے باعث توہین خیال کی ہے۔ اور باوجود بڑے بڑے انعامات کے وعدوں کے اس نے کسی کو منہ نہیں لگایا ہے۔

امیرالمومنین : معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس جماعت کے حال سے بالکل ہی بے خبر ہیں۔ انہیں جامع کمال کے یہ اشعار ہیں۔

رھبان مدین والذین عہدتہم ... یبکون من حذر العذاب قعودا

لو یسمعون کما سمعت حدیثہا ... خروا لعزۃ رکعا و سجودا

ترجمہ: مدین کے تارک الدنیا اور جن جن لوگوں سے میں ملا ہوں۔

ان کو میں نے خدا کے عذاب سے روتے پیٹتے دیکھا۔ اور اگر وہ میرے پیاری محبوبہ عزۃ کی باتیں اس طرح سنتے جس طرح کہ میں نے سُنی ہیں۔ تو کوئی اس کے سامنے تعظیماً سر جھکاتا کوئی سجدہ کرتا۔

اللہ اس پر لعنت کرے۔ یہ ایک ناقص العقل والدین، عورت کو قابل سجدہ سمجھتا ہے۔ اور خدا کے عذاب سے ڈر کر رونے والوں کا تمسخر اڑاتا ہے۔ یہ پہاڑ کے برابر کلمات زبان سے نکال دینے والا کیا دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دیئے جانے کے قابل ہے۔ خدا کی قسم میں ایسے ناہنجار کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے کر گنہگار نہ بنوں گا۔ اچھا! اس کے سوا اور کون اجازت کا طالب ہے۔

عدی بن ارطاۃ:۔ عدی بن احوص انصاری بھی موجود ہے اور اس کے فضل و کمال کا تو ہر چھوٹا بڑا مداح ہے۔

امیرالمومنین:۔ خدا اس پر اپنا غضب نازل فرماوے۔ کیا اس بدکردار اور بد اقوال کو میں اپنے پاس آنے دوں گا۔" نہیں نہیں ہرگز نہیں! میں اس کی حالت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ بد اطوار وہی تو ہے۔ جو مدینہ کے ایک شخص کی لونڈی کو بھسلا کر لے بھاگا تھا۔ اور خاکشش بدہن اس پر یہ شعر فخراً پڑا تھا۔

اللہ بینی وبین سیدھا یفرمنی بھا واتبعہ

ترجمہ: میرے اور اس لونڈی کے مالک میں حائل ہو کر خدا اس کو مجھ سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے اور میں اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا ہوں۔"

اب تو آپ کو ان کے حسنِ اسلام کی خبر ہو گئی۔ خیر کسی اور کا نام بتائیے۔

عدی بن ارطاۃ: ہمام بن غالب الفرزدق۔ اس کی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی تو روتوں کو ہنسا دیتی ہے۔ اگر اس کو اجازت دے دی جاوے۔ تو غالباً نامناسب نہیں۔

امیرالمومنین: آپ نے بھی اچھے کا نام لیا۔ آپ کو خبر نہیں کہ یہ فاسق زنا کے گناہ میں مبتلا ہوا اور اس پہ یہ اشعار فخریہ کہے ؎

هما دلیانی من ثمانین قامة	کما انقض باز لین الریش کاسره
فلما استوت رجلای فی الارض قالتا	احی فیرجی ام قتیل نحاذره
فقلت ارفعوا الاحراس لا یفطنوا بنا	ووليت فی اعقاب لیل ابادره

ترجمہ: ان دونوں نے مجھ کو بڑی بلندی سے اسطرح لٹکایا جس طرح کہ کوئی نرم پروں والا باز کسی شکار پر پر تول کر نیچا نیچے گزرتا ہے۔ تو جب میرے دونوں پیر زمین پہ جمے۔ تو ان دونوں نے کہا۔ کہ آیا یہ زندہ ہے۔ کہ اس سے امید کی جا

سکے۔ یا یہ ٹھنڈا ہو لیا کہ اس سے الگ ہو جاویں۔ تو میں نے کہا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ نگہبانوں کو خبر ہو جاوے اور میں جلدی سے رات ہی رات میں نکل بھاگا۔"

خدا کی قسم! میں اسکو بھی اپنے پاس نہ آنے دوں گا۔ اچھا کسی اور کا نام لیجئے۔

عدی بن ارطاۃ: اخطل تغلبی بھی حاضری کا خواستگار ہے۔ اس میں مجھ کو تو کوئی عیب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

امیر المومنین: (مسکرا کر) عیب نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بھی آپ نے خوب فرمایا۔ اس سے زیادہ منہ پھٹ شاعر کم ہوں گے۔ آپ نے اس کے یہ شعر سنے ہوں گے۔

ولست بصائم رمضان عمری ۔۔۔ ولست بآکل لحم الاضاحی

ولست بزاجر عیسا بکورا ۔۔۔ الی بطحاء مکۃ بالنجاح

ولست بقائم کالعیر یدعو ۔۔۔ قبیل الصبح حی علی الفلاح

ولکنی ساشر بہا شمولا ۔۔۔ واسجد عند منبلج الصباح

ترجمہ: میں نے ساری عمر میں کبھی رمضان کے روزہ نہیں رکھے اور قربانی کرنا تو بجائے خود میں نے کبھی قربانی کا گوشت کھایا بھی نہیں۔ نہ میں نے صبح کے وقت، مکہ کے ٹیلوں کی طرف اونٹوں کو بغرض حصول نجات آخروی تیز بھگایا۔ اور نہ میں

خریدے ہوئے غلام کی طرح صبح کے وقت حی علی الفلاح کہہ کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاتا ہوں۔ ہاں ٹھنڈی اور تیز شراب کے گلاس ضرور چڑھا جایا کرتا ہوں۔ اور صبح ہوتے ہوتے سجدہ کر لیا کرتا ہوں۔"

یہ ذات شریف تو فرزوق سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں۔ خدا کی قسم! میں اس مسلمان صورت کافر سیرت کو اپنے فرش پر بھی قدم نہ رکھنے دوں گا۔ اس کے سوا اگر کوئی اور ہو تو اس کا نام لیجئے۔

عدی بن ارطاۃ: جریر بھی ہے۔ اس کی زبان فرزوق کے مقابلہ میں تو بیشک کھلی ہے۔ مگر اس نے فرزوق پر بھی بس کی۔ میرے علم میں اس نے کوئی ایسی جسارت نہیں کی جس سے حدود شرعیہ پامال ہوتے ہوں۔

امیرالمومنین: آپ نے ان کی مجنونانہ بڑ نہیں سنی۔ ان کے شعر ہیں ؎

طرقتك صائدة القلوب ليس ذا وقت الزيارة فارجعي بسلام

ترجمہ: عشاق کے دلوں کو شکار کرنے والی تیرے پاس رات کو آئے اور یہ وقت ملاقات کا وقت نہیں تو تو خیریت سے واپس ہو جا۔"

تاہم اگر شاعروں کو آنے کی اجازت دینا آپ کے خیال میں ضروری

ہی ہے تو خیر اسکو بلوا لیجئے۔

عدی بن ارطاۃ اپنے دل میں یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کہ الحمدللہ اس قدر وقت صرف کرنے کے بعد امیر المومنین نے ایک تو اجازت حاضر ہونے کی دے دی۔ اگر اس کی نسبت بھی انکار فرما دیتے تو میں کیا کر لیتا۔ باہر آکر دیکھا تو سب کے سب چوں گوش روزہ دار بر اللہ اکبر ست کا منظر بنے ہوئے تھے۔ آپ نے جریر کو ہمراہ لیا اور خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جریر ایک پر کالہ آتش تھا۔ اور فی البدیہہ کہنے میں تو ایسا مشاق تھا کہ بسا اوقات اس کے فی البدیہہ شعر پڑھ دینے پر لوگوں کو گمان ہوتا تھا۔ کہ یہ گھر سے یاد کر لایا ہے۔ موقعہ پاکر پڑھ دیئے۔ خلیفۃ المسلمین کو دور سے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھنا شروع کر دیئے۔

ان الذی بعث النبی محمدا	جعل الخلافۃ فی الامام العادل
وسع الخلائق عدلہ و وقارہ	حتی ارعووا واقام میل المائل
انی لارجو منہ نفعاً عاجلاً	والنفس مولعۃ بحب العاجل
واللہ انزل فی الکتاب فریضۃ	لابن السبیل وللفقیر العائل

ترجمہ: بے شک جس قادرِ مطلق نے نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر خلق اللہ کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ اس نے تخت خلافت پر ایک عادل خلیفہ کو متمکن کیا ہے۔

ساری رعایا کے لیے اس کا عدل و وقار عام ہے۔ یہاں تک کہ اس کی رعایا کا ایک ایک شخص امور قبیحہ سے مجتنب ہے۔ اور اس نے بڑے بڑے ٹیڑھوں کی کجی کو سیدھا کر دیا۔ میں اس کے پاس نفع عاجل کی امید لے کر حاضر ہوا ہوں اور ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انسانی نفس منافع عاجلہ کا دلدادہ ہے۔ مالک حقیقی نے اپنے قرآن پاک میں مسافر اور عیالدار فقیر کا حصہ مقرر فرما دیا ہے۔ (اور مجھ میں یہ سارے اوصاف موجود ہیں)۔

امیرالمومنین: (اپنے خیال میں اُس مدح کو حد سے بڑھا ہوا سمجھ کر) جریر! اللہ سے ڈرو اور زبان سے کوئی بات حق بات کے سوا نہ نکالو۔ جریر نے یہ سنتے ہی پھر شعر پڑھنا شروع کر دیئے۔

کم بالیمامة من شعثاء ارملة ۔۔۔ ومن یتیم ضعیف الصوت والنظر

ممن یعدلك یکفی فقد والده ۔۔۔ کالفرخ فی العش لم یدبج ولم یطر

اذکر الجهد والبلوی التی نزلت ۔۔۔ ام قد کفانی ما بلغت من خبری

ما لنرجو اذا ما الغیث اخلفنا ۔۔۔ من الخلیفة ما نرجو من المطر

ان خلافة جاءته علی قدر ۔۔۔ کما اتی ربه موسی علی قدر

هذی الارامل قد قضیت حاجتها ۔۔۔ فمن لحاجة هذا الارمل الذکر

الخیر ما دمت حیا لا یفارقنا ‌ ‌ ‌ ‌ بورکت یا عمر الخیرات من عمر

ترجمہ: میرے وطن یمامہ نامی میں بہت سے پراگندہ بال رانڈ عورتیں ہیں۔ بہت سے یتیم ہیں۔ کہ بوجہ فاقہ کشی کے نہ ان کی آواز نکلتی ہے۔ نہ اُن کی نظر اُوپر کو اٹھتی ہے) یہ ایسی جماعت ہے۔ کہ بوجہ آپ کے انصاف کے ان کے ماں باپ کا نعم البدل ہوگیا۔ وہ چڑیا کے ضعیف بچے کی طرح ہیں جو چل نہ سکتا ہے نہ اڑ سکتا ہے) کیا میں اس تکلیف اور مشقت کا حال بیان کروں جو میرے اوپر نازل ہو چکی۔ یا جو کچھ آپ کو میرے مصائب اور شدائد کا حال سنایا گیا۔ وہی میرے اوپر رحم کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ جب بارش ہم سے منہ پھیر لیتی ہے۔ تو ہم کو اپنے خلیفہ سے ایسی ہی امید لگی رہتی ہے۔ جیسی کہ بارش سے آج کل خلافت حق بحقدار رسید کی مصداق ہے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کلام کرنے کے مستحق سمجھے گئے۔ حضور نے رانڈوں اور دکھیا عورتوں کی تو حاجت روائی فرما دی۔ مگر اب اس رنڈوے مرد کی حاجت روائی کون کرے گا۔ جب تک آپ دنیا میں تشریف فرما ہیں۔ خیر ہم سے جدا نہیں ہوسکتی۔ اے خیر مجسم عمر بن عبدالعزیز آپ

پر خدا کی برکات کی بارشیں ہوتی رہیں۔

امیرالمومنین: جریر! خدا کی قسم! تم نے اپنے مطلب کو نہایت خوبی سے ادا کیا۔ مگر میری ملک میں بجز تیس اشرفیوں کے اور ایک پیسہ بھی نہیں۔ اس میں سے بھی دس اشرفیاں تو میرا بیٹا عبداللہ صرف کر چکا اور دس اشرفیاں میری بی بی نے لے لیں۔ باقی دس اشرفیاں تم لے لو۔ یہ کہہ کر خادم کو حکم دیدیا۔ کہ باقی جریر کو دیدے۔

جریر: امیرالمومنین! میں اگرچہ امراء سے ہزاروں لاکھوں۔ اشرفیاں لے کر بھی خوش نہیں ہوتا۔ اور زیادہ کا طالب ہوتا ہوں لیکن آپ کی یہ دس اشرفیاں میری عمر بھر کی کمائی سے افضل اور عمدہ ہیں۔

جریر یہ شکریہ کے الفاظ امیرالمومنین کی خدمت میں کہہ کر باہر آیا۔ تو اس کی جماعت کے باقی ماندہ شاعروں نے پوچھا کہ کیا ہوا۔

جریر: کیا حال پوچھتے ہو۔ سنو گے تو سر پیٹ لو گے۔ میں ایک ایسے خلیفہ کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ جو فقیروں کے لیے سخی اور شاعروں کے لیے بخیل ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں تو اس کی اس عادت کا مداح ہوں۔

باقی ماندہ شعراء نے جب جریر سے یہ سنا تو ان کی امیدوں پر پانی پڑ گیا۔ اور امیرالمومنین کے اس حزم اور احتیاط اور تقویٰ کا نتیجہ صرف یہی نہ نکلا کہ جن شعراء کو صرف اس جرم میں دربار کی حاضری کے بجا فخر

سے محروم کیا گیا تھا۔ کہ ان کی زبانیں ان کے قابو میں نہ تھیں۔ اور حدود شرعیہ سے متجاوز ہو کر دُور اندُور پہنچ جاتی تھیں۔ وہی لوگ اپنی زبانوں کو قابو میں رکھنے لگے۔ حدود شرعیہ اور حقوق مذہب کی حفاظت کرنے لگے۔ بلکہ یہ ایک عام تنبیہ تھی۔ جو برقِ خاطف کی طرح زمین کے اس کنارہ سے ہوتی ہوئی آن کی آن میں دوسرے کنارہ تک پہنچ گئی۔ اور جن باتوں کو وہ ہنسی کے طور سے زبانوں سے نکال دیا کرتے تھے۔ ان سے احتیاط کرنے لگے۔ دینی حدود اور مذہبی حقوق کی جو عظمت اور وقعت دل سے نکل چکی تھی۔ وہ اس ایک ہی تازیانہ میں لوٹ کر آ گئی۔

(ادب العرب صـ ۱۲۹)

سبق : امیر المومنین کے اس مختصر سے واقعہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بہت سے نصائح اور بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۱۔ سلطان کو ایسا باخبر رہنا چاہیئے۔ کہ اس کو رعایا میں سے ہر ایک کے افعال و اقوال کی پوری واقفیت حاصل ہو۔

۲۔ احکام کے جاری کرنے میں (اگر وہ طریق سے منحرف نہیں ہیں) تو ہرگز اس کی پرواہ نہ کرے۔ کہ عام لوگ یا رعایا میں سے زبان زور اشخاص اس پر کیا کچھ ملمع سازی نہ کریں گے۔

۳۔ حق بات کے ماننے میں اس کا ہرگز خیال نہ کرے۔ کہ میں اس

سے قبل اس حکم کے خلاف حکم دے چکا ہوں۔ میری بات کی وقعت لوگوں کے دلوں سے نکل جاوے گی۔ امیرالمومنین نے باوجود اس تاکیدی حکم کے کہ شعراء کی جماعت حاضر دربار نہ ہو۔ جب عدی بن ارطاۃ سے یہ سنا۔ کہ حضور کی خدمت میں یہی شعراء حاضر ہوا کرتے تھے۔ تو انہوں نے شعراء کو حاضر ہونے کی اجازت دیدی۔

۴۔ حکم جاری کرنے میں اپنے پرائے کی تخصیص نہ کرے۔ وہ حکم بے وقعت ہے جو اپنے اعزہ کے لیے اور، اور اباعد کے لیے اور ہو۔ امیرالمومنین نے جب اقوال پر گرفت شروع کی تو اپنے عزیز شاعر کو بھی مستثنٰی نہ کیا۔ اور عجب نہیں کہ عدی بن ارطاۃ نے سب سے پہلے جو اس عزیز شاعر کا نام لیا ہے۔ وہ اسی مصلحت سے ہو کہ امیرالمومنین اپنے عزیز کا نام سُن کر حکم میں کسی قسم کی سہولت کر دیں گے مگر امیر المومنین نے ہرگز اس کو پسند نہ فرمایا۔ کہ ایک ہی جرم میں اقارب اور اباعد دونوں شریک ہوں۔ اور اقارب قابل عفو سمجھے جاویں۔ اور اباعد سے مواخذہ کیا جاوے۔ اور فی الحقیقت حکم کی سچی عظمت رعایا کے قلب میں اسی وقت متمکن ہوتی ہے۔ جب کہ وہ اس کو بڑے چھوٹے اپنے پرائے، کی تمیز کے بغیر سب پر برابر دیکھتی ہے۔

۵۔ امیرالمومنین نے اپنی مدح میں مبالغہ کو پسند نہ فرمایا۔ ان کو معلوم تھا۔ کہ زبان پر قدرت رکھنے والا اگر کسی بڑی سے بڑی چیز کو اچھا

ثابت کرنے پر اتر آوے۔ تو اچھا ہی ثابت کر کے چھوڑتا ہے۔ اور اگر اچھی سے اچھی چیز کو بُرا ثابت کرنا چاہے۔ تو اس طور سے کام لیتا ہے کہ قلوب میں یہ بات جاگزین ہو جاتی ہے۔ کہ اس سے بدتر چیز خالق جل وعلی شانہٗ نے کوئی پیدا ہی نہیں فرمائی۔ اسی لیے اوّل ہی سے فرما دیا۔ کہ دیکھو حق کے سوا اور کوئی بات زبان سے نہ نکالنا۔

۴۔ عربی علم ادب کی مناسبت کا یہ حال تھا۔ کہ اس قسم کے اشعار (جن کی وجہ سے شعراء اس درجہ کے معتوب قرار دیئے گئے۔ کہ امیر المومنین نے ان کی صورتوں کو دیکھنا بھی گوارا (نہ فرمایا) اس طور پر نام بنام برجستہ یاد تھے۔ تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے حافظہ میں اشعار کا ایک کافی خزانہ موجود ہو گا۔ حکمرانی جیسی کچھ مشغولیت کو چاہنے والی اور آدمی کو کسی کام کا نہ رکھنے والی چیز ہے۔ اس کو ہر صاحب بصیرت معلوم کر سکتا ہے۔ لیکن باوجود اس مشغولی کے عربی اشعار حافظہ میں محفوظ تھے۔ امیر المومنین کی اس ادب دانی پر غور کر کے ان قاصر ہمتوں کے متعلق اپنی رائے قائم کرو۔ جو باوجود اس قدر مشاغل نہ رکھنے کے عربی علم ادب سے بے بہرہ ہیں۔

نشرواشاعت کے محاذ پر اہلسنت کے لیے

فرید بک سٹال کی مطبوعات کی فہرست

فاضل شہیر مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی کی مندرجہ ذیل تصانیف نئے سرے سے آفسٹ کتابت نفیس چھپائی و بہترین جلدوں میں پیش خدمت کی جارہی ہیں تفصیل حسب ذیل ہے:

خطبات اول (مجلد فوم پلاسٹک)
" دوم "
خطیب "
واعظ اول "
" دوم "
" سوم "
" چہارم "
نماز مدلل (مجلد پارچہ)
سچی حکایات اول (مجلد ڈسٹ کور)
" دوم "
" سوم "
" چہارم "
" پنجم "
عورتوں کی حکایات (مجلد فوم پلاسٹک)

مثنوی کی حکایات (مجلد ڈسٹ کور)
شیطان کی حکایات "
عجائب الحیوانات
مفید الواعظین حصہ اول

دیگر مطبوعات جو دستیاب ہیں:

الفاروق شبلی نعمانی
طب روحانی
مسند امام اعظم
سنی بہشتی زیور
مثنوی مولانا روم مکمل ۶ جلد
فتاوائے عالمگیری اردو مکمل ۱۰ "
دیوانِ حافظ مجلد
دلی کے بائیس خواجہ مجلد
توضیح البیان از مولانا علامہ غلام رسول سعیدی (مجلد فوم پلاسٹک)

ناظرین شائقین اور تاجران کتب پتہ ذیل پر رابطہ قائم کریں اور تبلیغ و اشاعت میں تعاون کریں۔